اِزالۃ الشُّک

عن

مَسئلۂ فدک

علّامہ محمد عبدالستّار صاحب تونسوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین وعلی الہ وازواجہ واصحابہ اجمعین

اما بعد!

بندہ جہاں جہاں تقریر کے لئے مسلمانوں کی خدمت میں حاضر ہوا۔ عموماً ہر جگہ وہر مقام پر بعض لوگوں کی طرف سے مسئلہ فدک کے متعلق دریافت کیا گیا۔ حالانکہ فدک کا مسئلہ کوئی اس قسم کا اصولی مسئلہ نہیں۔ جو کہ ضروریات دین میں سے ہو۔ اگر ایک شخص کا ضروریات دین پر ایمان ہو، اور اس کو فدک کے حالات وحقائق حتیٰ کہ نام تک کا بھی علم نہ ہو۔ تو اس کے دین وایمان میں کوئی خلل اور نقص واقع نہ ہوگا۔ یہ تو ایک تاریخی واقعہ ہے (جس کو موضوع بحث بنانا بلکہ ایمان وکفر کا دارومدار ٹھیرانا۔ اور اس کے لئے عام مسلمانوں میں ہیجان و ہنگامہ آرائی کی مہمیں اور مسلمانوں میں تفرقہ بازی کی کوششیں کونسی خدمت دین اور تقاضائے ایمان ہے۔)

بندہ کو اس مسئلہ پر خامہ فرسائی اور توجہ کی ضرورت اس لئے محسوس ہوئی کہ میرا کامل اعتقاد اور محکم یقین ہے کہ جناب صدیق رضؓ وفاروق رضؓ غنی رضؓ وعلی رضؓ عباس رضؓ وحسنین، سیدہ بی بی فاطمۃ الزہراء

سیدہ بی بی عائشہ صدیقہ رضؓ ، بنو ہاشم اور قریش ، تمام انصار و مہاجرین سب کے سب یک دل و یک جان اور رحماء بینہم کے پورے مصداق اور واعتصموا بحبل اللہ جمیعا وغیرہ احکام قرآنی کے پورے پابند کامل اتفاق و اتحاد اور وحدت و محبت کی گہرائیوں میں جکڑے ہوئے تھے ۔ آج کل اسلامی اتحاد و تنظیم کے خلاف اسٹیجوں ، پریسوں سے وعظ کیے جا رہے ہیں ۔ اور اہل اسلام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت سے موجودہ دور تک دو مخالف گروہوں میں تقسیم کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ بعض لوگوں کو خلفاء رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور ائمہ اسلام اور مقتدایان اہل ایمان جناب صدیق رضؓ و فاروق رضؓ غنی رضؓ و علی رضؓ سیدہ بتول رضؓ ۔ ان النجوم ہدایت ، تربیت یافتگان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اس قسم کے طعن و تشنیع اور عیب چینی اور بدگوئی کا موقعہ فراہم کیا جا رہا ہے ۔ کہ یہ سب حضرات سرمایہ پرست ، خود غرض ، فقراء و مساکین کے حقوق خورد برد کرنے والے اور دنیاوی اقتدار اور مال و متاع کیلئے (نعوذ باللہ) باہم دشمن اور دست بگریباں تھے ۔

عاجز نے مذکورہ بالا یہی دو امور مدنظر رکھ کر یہ چند سطور برادران اسلام کی ہمدردی اور خیر خواہی کیلئے لکھی ہیں ۔ تاکہ ائمہ اسلام و مقتدایان دین کے پاکیزہ کردار اور مقدس سیرت کو اور وحدت اسلامی کے نظریہ اور اسلامی اخوت و اتحاد کے زرین اصول کو بدنما داغ لگانے والوں کے ناجائز حملوں سے پاک صاف سمجھیں ۔ دعا

تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ ط۔

واقعہ فدک کی تشریح سے پہلے اس حقیقت پر غور کیجئے کہ ہر دیانت دار، منصف مزاج انسان بخوبی جانتا ہے کہ موجودہ دور قرن ہو۔ یا ازمنہ ماضیہ کی گذشتہ تاریخ ہو یا زمان مستقبل کے آنیوالے اوقات ہوں، ہر دور و ہر قرن میں جب بھی کوئی اجتماعی قومی ملی، دینی و مذہبی تحریک اٹھائی گئی۔ یا اٹھائی جاوے گی۔ تو اس کی کامیابی اور ترقی کا دار و مدار صرف اس امر پر ہے کہ اس تحریک کو چلانے، اپنانے، ماننے والے، اسکی ترقی و کامیابی کے لئے، دھڑ کی بازی لگانے اور ہر قسم کی مالی و جانی قربانی سے دریغ نہ کریں۔ بلکہ اپنا سب کچھ گھر بار مال و دولت۔ حتی کہ اپنی جانوں تک کو اس تحریک کی کامیابی کے لئے لگادیں مگر یہ سب کچھ تب گوارا کیا جاتا ہے۔ جبکہ لوگوں کو اس تحریک کے بانی و مؤسس اور اس تحریک کے اٹھانے چلانے والے لیڈر پر پورا اعتماد اور مکمل بھروسہ ہو کہ یہ شخص، خود غرض مفاد پرست نہیں۔ قومی و ملی مفاد کو اپنے ذاتی مفاد سے بہتر سمجھتا ہے، اور اجتماعی مصلح کو اپنے ذاتی اور اپنے خاندان کو رشتہ داروں کی مصلحتوں سے مقدم رکھتا ہے۔

ہمیشہ ہر تحریک کی کامیابی کی روح اور ترقی کا راز یہی رہا ہے کہ اس کے بانی اور لیڈر نے اخلاص کے ساتھ اپنا سب کچھ قوم کی خدمت اور مصلحت کے لئے وقف کر دیا۔ تب اس شخص کے پیچھے قوم نے

لبیک کہا۔

دنیا میں اس طریقہ کے مروّج اور پسندیدہ ہونے اور اس عمل کے محبوب و مرغوب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ درحقیقت حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی مقدس اور معصوم تعلیمات اور بے لوث پاکیزہ زندگیوں سے دنیا کو یہ پہلا سبق یہی ملا ہے۔

بادشاہی ملوکیت اور نبوت و خلافت نبوت کے درمیان نمایاں امتیاز اور بنیادی فرق یہی ہوتا ہے۔ کہ ملوک و بادشاہ دنیادی ساز و سامان مال و دولت اور عیش و عشرت، لذات و خواہشات نفسانی پر مفتون و فریفتہ ہوتے ہیں۔ ان کی ساری دلبستگی اور رات و دن کی سردردی اور ہر وقت کی دوڑ دھوپ کا مقصد صرف دنیا ہی دنیا ہوتی ہے، اس کے برعکس حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے خلفاء عظام رضی اللہ عنہم کا مقصد و مطمح نظر اور ان کی ساری سعی و کوششوں کا مرکز و محور اللہ تعالیٰ کی رضامندی و خوشنودی کے بغیر اور کچھ ہی نہیں ہوتا۔ ان حضرات کو رات دن یہی تڑپ یہی جذبہ دامن گیر رہتا ہے کہ گھر بار، مال و دولت، عزیز و اقارب، دوست احباب اپنا جسم و جان، عیش و آرام اور عزت و آبرو سب کچھ اس کی راہ و رضا میں فنا و فدا ہو جائے۔ تو یہی حقیقی کامیابی اور انتہائی امید و آرزو ہے۔ ان حضرات کو اس راہ میں جتنے مظالم و مصائب اور شدائد و حوادث پیش آئیں۔ ان سب کو برداشت کرنے میں لذت و راحت محسوس کرتے ہیں، ان حضرات کا اصلی مقام و مرتبہ یہی عبدیت اور للٰہیت ہی ہے۔ کہ زندگی کا ہر لمحہ اور ہر سانس اور زندگی کے

تمام علائق ولواحق صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہوں اگر کچھ کہتے سنتے ہیں تو اسی کے لئے۔ اگر لیتے دیتے ہیں تو اسی کے لئے۔ اگر اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے ہیں تو اسی کے لئے، اگر مرتے جیتے ہیں تو اسی کے لئے۔ اور یہی سبق اور روح اپنے جانشینوں اور پسماندگان میں چھوڑ جاتے ہیں۔

قیصر و کسریٰ شاہان عالم تو اپنے جانشینوں کے لئے دنیاوی مال ومتاع حشم وخدم، حکومت و تکبر وراثت چھوڑ جاتے ہیں۔ مگر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اخلاص وللہیت اور اخلاق وعلوم نبوت اور راہ خدا میں قربانی وجاں فشانی کا درس وراثت میں چھوڑ جاتے ہیں، ان کے پاس مال ومتاع جس قدر رہا تو بیت المال یعنی خزانہ الٰہی، بجو دین الٰہی کے لئے اور عاجز محتاج لوگوں اور یتیموں مسکینوں، کے لئے رہا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق قرآن مجید میں بصراحت موجود ہے

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔ !

یارسول اللہ! فرما دیجئے کہ میری بدنی اور مالی اعمال وعبادات، اور میری زندگی اور موت، سب کچھ، اللہ تعالیٰ رب العالمین ہی کے لئے ہے

پ ۸ سورہ انعام

قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ یَّتَّخِذَ اِلٰی رَبِّهٖ سَبِیْلًا ۱۹

سورۃ فرقان

تو کہہ میں نہیں مانگتا تم سے اس پر کچھ اجر۔ مگر جو کوئی چاہے کہ پکڑ لے اپنے رب کی راہ۔

حدیث شریف میں وارد ہے۔

مَالِی وَلِلدُّنْیَا	مجھے مال و متاعِ دنیا سے کوئی تعلق و لگاؤ نہیں۔ !

یہی وجہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رات دن ہر لحہ و ہر لحظہ یہی فکر دامن گیر تھی۔ کہ اللہ تعالیٰ سے بے علم و بے تعلق اور دارِ دنیا میں مست و مدہوش ہو کر دارِ آخرت کی دائمی زندگی سے بے خبر انسان خواہشاتِ نفس اور حبِ دنیا کی گرفتاریوں سے نکل کر معرفتِ الٰہی اور تعلق باللہ کے انوار سے منور ہوں اور فکرِ آخرت میں دائمی رضاءِ الٰہی کے لئے اپنا مال و جان عزیز و اقارب، دوست و احباب، گھر بار، سب کچھ قربان کر کے بارگاہِ الٰہی میں سرفراز و سرخرو ہو جائیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رات دن، صبح شام، ہر لحہ و ہر آن متواتر تیئیس سال تک نہایت ہی عرق ریزی، اور جاں فشانی سے اس دعوت الی اللہ اور تبلیغ و تربیت و تزکیہ کو پورے اہتمام سے جاری رکھا اور انتہائی اخلاص اور دردِ دل، اور سوز و گداز سے ہدایتِ خلق کے لئے کوشاں و مصروف رہے۔ تو اس مبارک تعلیم و تبلیغ اور تربیت و تزکیہ کا نہایت زبردست نتیجہ اور غیر معمولی اثر ہوا کہ لوگ جوق در جوق دینِ الٰہی کو قبول کرنے لگے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے

وَرَأَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا۔ !	یا رسول اللہ ! تو دیکھے کہ اللہ کے دین میں لوگ فوجوں کی فوجیں داخل ہو رہی ہیں۔

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دینِ الٰہی میں فوجوں کی فوجیں داخل ہو گئیں اور حضور علیہ السلام کی تعلیم و تربیت سے جو لوگ دینِ الٰہی میں داخل و شامل،

ہو گئے۔ ان کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ پ ۴ سورۃ آل عمران

آپ کی تعلیم و تربیت سے یہ لوگ پاکیزہ اعمال و عقائد اور اخلاق عالیہ سے متصف اور مزکّی ہو جاتے ہیں، اس سے پہلے ضرور صریح گمراہی میں مبتلا تھے۔

مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت اور تذکیہ و تطہیر نے ان کو سب گمراہیوں اور برائیوں سے دور اور اتنا محفوظ و مبرا کر دیا کہ قرآن شریف میں ان شاگردانِ رسول ؐ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے نہایت عالی شان اور زوردار الفاظ میں ان کے کمال ایمان و تقویٰ اور رشد و ہدایت اور امانت، دیانت صداقت، لیاقت اور اپنی دائمی رضامندی اور ان کے قطعی جنتی ہونے کا متعدد جگہ اعلان و بیان فرمایا ہے۔ پ ۲۶ سورۃ فتح۔

صلح حدیبیہ کے موقعہ پر جو چودہ سو سرفروش جانباز پروانہ ہائے شمع رسالت جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس و نورانی ہاتھ پر کفار کے مقابلہ میں حضور پرنور کے حکم سے شہید ہو جانے پر بیعت کی تھی، جن کی سرفروشی اور کمال عشق و محبت رسول اللہ کا نقشہ خود شیعہ حضرات کی معتبر کتاب حیات القلوب جلد دوم ص ۵۰۴ پر مرقوم ہے کہ۔

عروہ بن مسعود حضور کی خدمت میں آیا دید کہ صحابہ رض چگونہ اطاعت آنحضرت بنمایند۔ چوں خدمتے می فرماید ہمہ بر یکدیگر سبقت میگیرند

چوں دست مبشوید یا وضو میسازد بر سرآں آب کہ از دست و دہاں مبارکش میریزد مقاتلہ میتمایند و چوں سخن میگوید صدا بلند نمیکنند و از روے ادب آہستہ سخن میگویند و تند بر روئے آنحضرت نظر نمیکنند..... برگشت و گفت من نیز بر پادشاہاں بسیار رفتہ ام ...... بخدا سوگند کہ ندیدہ ام ہیچیک را کہ آنہا اطاعت بادشاہ خود و تعظیم او کنند، مثل آنکہ اصحاب محمد تعظیم و اطاعت او میکنند

حدیبیہ میں عروہ نے دیکھا کہ صحابہ رضؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتنی زبردست تعظیم و اطاعت کرتے ہیں کہ حکم رسول ؐ کی تعمیل میں ایک دوسرے سے بڑھتے ہیں۔ گردنیں جھکی ہیں، نظریں اٹھا کر نہیں دیکھتے، بات آہستہ کرتے ہیں، وضو کا پانی تبرک کے طور پر ہاتھوں پر لیتے ہیں اور زمین پر گرنے نہیں دیتے، واپس جا کر بیان کیا کہ ایسی تعظیم و اطاعت کسی کی کوئی نہیں کرتا جیسے صحابہ ؓ حضور ؐ کی کرتے ہیں۔

اس بیعت کو "بیعت الرضوان" کہا جاتا ہے۔ کیونکہ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُبَایِعُوۡنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوۡنَ اللّٰہَ ؕ یَدُ اللّٰہِ فَوۡقَ اَیۡدِیۡہِمۡ

جن لوگوں نے یا رسول اللہ تیرے ہاتھ پر بیعت کی، انہوں نے اللہ تعالیٰ سے بیعت کی۔ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔

جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۙ	تحقیق اللہ تعالیٰ راضی اور خوش ہو گیا ایمان والوں سے جب بیعت کرنے لگے تجھ سے اس درخت کے نیچے پھر بخوبی جانا (صدق و اخلاص اور شوق شہادت، اور حسن نیت) ان کے دلوں میں تھا، پھر اتارا ان پر اطمینان اور انعام دیا۔ ان کو ایک فتح، نزدیک!

انہی چودہ سو نورانی وفادار سر فروش جانبازوں کے حق میں آگے اسی سورہ میں فرمایا:۔

فَأَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَأَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۔	پس اللہ تعالیٰ نے اتارا اپنی طرف سے سکینۃ (قلبی و روحانی سکون) اپنے رسول اور ایمان والوں پر اور انکو، تقویٰ کی بات پر قائم دائم کر دیا۔ اور وہی تھے اس کے نہایت مستحق اور لائق۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کی اہلیت کو بخوبی جانتا ہے

اور اسی سورہ میں ان حضرات کے حق میں فرمایا۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ	جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام، کفار کے مقابلہ میں سخت اور مضبوط اور باہم نرم و مہربان ہیں۔ اپنے رب کی

بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ

بارگاہ میں کثرت سے رکوع و سجود ان کا تو دیکھے گا کہ جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کا فضل اور رضامندی طلب کرتے رہتے ہیں۔ کثرت سجود کے اثر سے ان کے چہروں پر نشانی ہے۔ یہی ان کی صفت اور شان تورات و انجیل میں ہے۔

غرضیکہ سورہ فتح ان ہی صحابہ کرام کے دائمی تقویٰ و طہارت اور انکی صداقت و دیانت اور کمال ایمان و اخلاص اور اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کو واضح طور پر بیان کر رہی ہے۔

یہی تو اصحاب بیعۃ الرضوان کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک کمال ایمان و تقویٰ اور دائمی قرب و رضا کا حصول تھا کہ جس کے باعث بعد میں آنیوالے مسلمان اپنی مشکلات و مصائب میں اور کفار کے مقابلہ میں فتوحات حاصل کرنے کیلئے یہ کوشش کرتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے اہل بدر یا اہل بیعۃ الرضوان کو تلاش کریں تاکہ ان کی دعا اور برکت اور کمال روحانی سے مشکل حل ہو کر فتح حاصل ہو۔

پارہ ۲۶ سورہ حجرات میں صحابہؓ کے حق میں فرمایا:۔

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ

پر اللہ تعالیٰ نے محبت ڈال دی تمہارے دل میں ایمان کی اور اسکو تمہارے دلوں میں اچھا مزین کر دیا۔ اور نفرت و کراہت

اَلْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَ الْعِصْيَانَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ۔

ڈال دی تمہارے دلوں میں کفر اور گناہ و نافرمانی سے ایسے لوگ ہی ہیں نیک راہ پر۔ !

سبحان اللہ! کیا ہی صحابہ کرام کی شان ایمان ہے اور ان حضرات کو کس قدر کفر اور گناہ سے کراہت اور اللہ تعالیٰ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی سے کس قدر نفرت ہے۔

پارہ ۲۸ سورہ حشر میں انصار و مہاجرین کی شان میں فرمایا:۔

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ

فقراء و مہاجرین جو کہ اپنے گھروں اور مالوں سے نکالے گئے، جو محض اللہ کا فضل اور رضامندی ڈھونڈتے اور اللہ اور اس کے رسول مقبول کی مدد کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں انتہائی سچے اور وہ لوگ جنہوں نے مہاجرین کے آنے سے پہلے مدینہ طیبہ میں گھر اور ایمان تیار کر رکھا ہے۔ (یعنی انصار مدینہ) !

اَلَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ۔

وہ لوگ جنکو نکالا گیا، ان کے گھروں سے ناحق۔ اس وجہ سے کہ وہ کہتے ہیں ہمارا رب صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

پ ۱۰ سورۃ انفال :-

وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ آوَوْا وَّنَصَرُوْا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِیْمٌ ط

جو لوگ ایمان لائے اور اپنا گھر بار چھوڑ کر راہِ خدا میں جہاد کئے اور جن لوگوں نے ان کو جگہ دی اور مدد کی۔ یہ سب ہی ہیں حقیقی سچے ایماندار، ان کے لئے مغفرت الٰہی ہے اور عزت کی روزی ہے۔

پ ۱۱ سورۃ توبہ۔

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ

سابقین اولین مہاجرین و انصار اور ان کے نیکی میں پیروکار، سب سے اللہ تعالیٰ راضی ہوا۔ اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوئے، ان کیلئے جنات و بہشت تیار ہیں، جن میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔

غرضیکہ قرآن مجید میں اس کے علاوہ بھی کئی مقامات میں انصار و مہاجرین کے قطعی بہشتی اور کامل الایمان اور تقویٰ و طہارت، قرب اور رضاء الٰہی کے حصول کی صراحت کی گئی۔ حتیٰ کہ اللہ تعالےٰ نے دنیا کے لوگوں کو دعوت دی ہے کہ اس قسم کا کامل، مکمل نجیتہ و پسندیدہ ایمان لاؤ۔ جیسا کہ شاگردانِ رسول مقبول صحابہ کرام رضی اللہ عنہم لا چکے ہیں۔

پ ا۔ سورۃ بقرہ

فَاِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا۔

اگر اہل کتاب اس طرح پر ایمان لاویں جس طرح تم مسلمان (صحابہؓ) ایمان لاچکے ہو تو یقیناً راہ ہدایت کو پالیا۔

پ ا سورۃ البقرہ

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ آمِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ الخ

اور جب منافق و بے ایمان لوگوں کو ہدایت کی جاتی ہے کہ ایمان لاؤ اس طرح کا جس طرح کہ دوسرے لوگ (صحابہ کرامؓ) ایمان لاچکے ہیں۔

تو ایسی کامل الایمان اور پاکیزہ جماعت جن کی تعداد و کثرت یدخلون فی دین اللّٰہ افواجاً سے واضح ہے جن کو قطعی بہشتی اور دائمی رضاء الٰہی کا مستحق اور تقویٰ و طہارت کا اہل قرار دیا جن کے متعلق کفر و فسق اور ہر گناہ سے نفرت کراہت کی شہادت قرآن نے دی کیا ان کے متعلق خیال و گمان کیا جاسکتا ہے کہ ان حضرات کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لخت جگر، طیبہ طاہرہ مخدومہ کائنات خاتون جنت رضی اللہ عنہا پر ظلم اور ان کا حق غصب کیا گیا اور وہ ساری کامل الایمان فوجیں، انصار، مہاجرین یعنی بنی ہاشم، بنی عبد مناف اس ناجائز اور ناحق کاروائی میں خاموش اور دم بخود رہیں۔ اگر بالفرض یہ اس طرح مانا جائے تو پھر اللہ تعالیٰ کی قرآن مجید میں ساری شہادتیں غلط اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تئیس سالہ تعلیم و تربیت اور تزکیہ و محنت رائیگاں و بے اثر ہو کر رہ جائیں

گا، اور جس دین و شریعت اور قرآن، و نبوت کا ثبوت ایسی جماعت کے ذریعہ پہنچا ہو وہ دین و قرآن اور نبی کسطرح قابل اعتماد و حق ہوگا۔ العیاذ باللہ!

واقعہ فدک اور سیدہؓ پر ظلم کی کہانی جس کا تذکرہ نہ قرآن مجید میں ہے۔ نہ فرمان رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے؛ مگر اس تاریخی واقعہ میں کوئی ایسی بات بالفرض ثابت ہو جس سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم شاگردان رسول کی ساری جماعت کے ایمان اور دیانت و امانت اور نصوص قرآن اور احادیث نبویہ سے ثابت شدہ راستی صداقت و تقوی پر زد پڑتی ہو۔ تو ایسی تاریخی بات قرآن و حدیث رسول مقبول کے مقابلہ میں ناقابل قبول یا قرآن و حدیث کے مطابق کسی تاویل و توجیہ کی مستحق ہو گی اصولی طور پر قرآن مجید اور حدیث رسول مقبول کے خلاف صرف کسی تاریخی واقعہ پر دین و مذہب اور عقیدہ و ایمان کی بنیاد رکھنا جہالت و ضلالت ہے۔

واقعہ فدک کے متعلق صحیح تشریح و توجیہ چھوڑ کر یہ سمجھنا کہ صدیق اکبر رضؓ، خلیفہ اول نے ظلم اور ناحق کیا اور تمام مہاجر و انصار اور اہل ایمان کی فوجیں اس ظلم و کفر میں شریک ہو گئے بنی ہاشم اور نبی علیہ السلام کے عم محترم حضرت عباسؓ۔ اور اسد اللہ الغالب حیدر کرارؓ جیسے بہادر و غیورؓ تماشا دیکھتے رہے۔ یہ قرآن و حدیث کا انکار اور خدا و رسول خدا کو جھٹلانا ہے تو اگر اس واقعہ کی صحیح حقیقت اور توجیہ و تشریح معلوم نہ ہو۔ تو قرآن و حدیث کے فیصلوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اس واقعہ کو ہی صحیح نہ سمجھنا بہتر اور حسن عاقبت کا موجب ہوگا۔ اس اصولی تشریح کے بعد ہم واقعہ فدک کی حقیقت کو واضح کرتے ہیں۔ بتوفیق اللہ تعالیٰ۔

فدک!

مسئلہ فدک کو سمجھنے کے لئے امور ذیل کو ملحوظ و مدنظر رکھنا ضروری ہے۔

(۱) فدک ایک گاؤں تھا۔ جو مدینہ طیبہ سے تین منزل پر تھا جس میں چشمے اور کچھ کھجور کے درخت تھے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ فدک بغیر لڑائی کے صلحیٰ قبضہ حضور علیہ السلام میں آیا تھا اور اموال فئی میں سے تھا۔ اہل سنت اور اہل تشیع بلکہ تمام مورخین مسلم و غیر مسلم کا اس بات میں کامل اتفاق و اتحاد اور کلمۂ واحدہ ہے کہ فدک اموال فئی میں سے تھا۔ خود شیعہ حضرات کی کتاب شرح نہج البلاغہ مصنفہ سید علی نقی، فیض الاسلام کے ص ۹۵۹ پر ہے۔

اہل فدک نصف آں را و بقولے تمام را بصلح واشتی تسلیم نمودند۔	فدک کے لوگوں نے اس کا نصف اور ایک دوسرے قول میں ہے کہ تمام فدک صلح سے بغیر جنگ کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کر دیا۔!

اور فئی قرآن شریعت نے ایسے اموال کو قرار دیا ہے۔ جو بغیر جنگ کے صلح سے قبضہ میں آویں۔

(۲) اموال فئی فدک ہو یا غیر فدک، اس کے متعلق قرآن مجید میں صاف و صریح واضح الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے۔ پ ۲۸ سورہ حشر۔

مَا أَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ أَهْلِ الْقُرٰى	جس قدر اموال فئی ہیں وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے

فَلِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسَاکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَۃً بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْکُمْ (الآیۃ)	اور ذی القربیٰ یعنی رشتہ داران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہیں۔ اور عام مسلمانوں میں سے یتیموں مسکینوں اور مسافروں کے لئے اور فقراء مہاجرین اور انصار مدینہ اور ان کے بعد آنے والے خیر خواہ حاجتمند، مسلمانوں کے لئے ہیں۔

تاکہ اموال فیٔ دولت مند بے حاجت لوگوں کے لینے دینے اور قبضہ میں نہ آجاویں جو کچھ اور جتنا کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم حقدار مسلمانوں کو دیدیں لے لو۔ اور جو تم سے روک لیں اس سے تم رک جاؤ۔

اموال فیٔ کے متعلق یہ آیت بالکل محکم اور اپنے معنی میں نہایت واضح اور غیر مبہم ہے۔ اور اموال فیٔ کے مستحق لوگوں کو بخوبی عیاں و نمایاں کرکے بیان کردیتی ہے۔ جو کہ نہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے مخفی تھی۔ اور نہ صدیق و فاروق سے پوشیدہ تھی اور نہ سیدہ رضؓ و علیؓ یا کسی دوسرے مسلمان سے کسی حجاب نقاب میں مضمر و مستتر تھی۔

اور فیٔ کے متعلق شیعہ حضرات کی کتاب تفسیر صافی صفحہ ۲۱۰ پر ہے کہ امام جعفر صادق رحؒ نے انفال و فی کے متعلق فرمایا:-

ھی للہ وللرسول علیہ السلام ولمن	فیٔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ہے۔ اور اس کا حق ہے

قائم مقام رسولؐ جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان کا
بعدہ ۔ ؟ قائمقام خلیفہ بنے۔ ؟

اس سے ثابت ہوا کہ فیٔ کسی کی شخصی ملکیت اور وراثت نہیں۔
(۳) یہ امر بھی فریقین کی معتبر کتابوں سے ثابت و محقق ہے۔ جیسا کہ عنقریب ناظرین کی خدمت میں واضح کر دیا جائیگا (انشاء اللہ تعالیٰ) کہ اموال فیٔ فدک وغیرہ کے متعلق جو عمل اور طریقہ جناب رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہد مبارک اور حیات طیبہ میں مقرر اور جاری فرمایا تھا۔ تمام خلفائے راشدین رضؓ کی خلافت راشدہ حتی کہ حضرت علیؓ اور حضرت حسنؓ کی خلافت راشدہ کے دور تک اس میں کسی قسم کا تغیر و تبدل واقع نہ ہوا۔ اور عمل رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور عمل صدیق و فاروق اور عثمان غنی اور علی المرتضےٰ و حسن المجتبےٰ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ یکساں طور پر واحد و متحد رہا۔ ذرہ بھر فرق اور سرمو تفاوت اس مدت میں ایک لحظہ کے لئے بھی واقع نہیں ہوا یعنی قرآن مجید میں مذکور بالا بیان کردہ حکم و ہدایت کے موافق جسطرح خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل فرمایا بعینہٖ وہی عمل بحول کاقوں تمام خلفائے راشدین نے جاری رکھا۔ ہاں مروان وغیرہ نے اپنی حکومت کے دور میں قطع و برید کی تو جناب عمر ابن عبدالعزیز نے اپنی خلافت کے زمانہ میں پھر وہی عمل مطابق بحکم قرآن اور مطابق عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و خلفائے راشدین از سر نو جاری فرمایا۔
اگر نعوذ باللہ صدیق رضؓ و فاروق رضؓ وغیرہ کا یہ عمل ظالمانہ، غاصبانہ یا مرتدانہ و منافقانہ کہا جائے، تو ان مہذب خطابات اور ایسے شائستہ،

و مقدس کلمات سے اسی عمل کو جاری و شروع فرمانے والے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) اور باقی اور قائم و دائم رکھنے والے (حضرت علیؓ و حضرت حسنؓ) کس طرح مستثنیٰ اور بری ہوں گے۔ (العیاذ باللہ)

بلکہ یہ امر بھی ثابت ہے کہ اموال فیٔ میں سے اراضی و باغات بنی نضیر وغیرہ حضرت عمر فاروق رضہ نے حضرت علی رضہ اور حضرت عباسؓ کی تولیت میں دیدیئے تھے۔ کہ وہ انکی پیداوار اور آمدنی کے ہر قسم کے منتظم و متولی رہیں۔ چنانچہ یہ دونوں حضرات۔ حضرت عمر رضہ کی خلافت میں ان اموال فیٔ کو عمل رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق تمام مستحقین مذکورہ میں تقسیم کرتے تھے۔

(۴) نیز یہ امر بھی فریقین کی معتبر مستند مسلمہ کتابوں میں ثابت ہے کہ صدیق اکبر رضہ نے سیدہ رضہ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں جب تک زندہ ہوں، ان اموال فیٔ فدک وغیرہ میں عمل رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی جاری رکھوں گا ان میں کسی کو کسی قسم کا تغیر و تبدل اور کوئی دوسرا طریقہ جاری نہ کرنے دوں گا ہاں میرے ذاتی مال اموال میں سے آپ کو اختیار ہے، جو چاہیں لے لیں۔ سب کچھ آپ پر قربان ہے۔

چنانچہ شیعہ کی معتبر کتاب حق الیقین کے صفحہ ۲۳۱ پر ثابت ہے کہ حضرت ابوبکر رضہ نے بہت سے فضائل و مناقب جناب سیدہ رضہ کے بیان کئے اور کہا۔

اموال و احوال خود را از تو مضائقہ ندارم آنچہ خواہی بگیر۔ تو سیدۂ امت پدر خودی و شجرۂ طیبہ از برائے	میں اپنا مال جائیداد دینے میں تم سے دریغ نہیں رکھتا۔ جو کچھ مرضی چاہے لے لیجئے آپ اپنے باپ کی امت

فرزندان خود انکار فضل تو کسے نمے تواند کرد و حکم تو نافذ است در مال من۔ اما در اموال مسلماناں مخالفت گفتہ پدر تو نمے توانم کرد

کی سیدہ ہیں اور اپنے فرزندوں کے لئے پاکیزہ اصل اور شجرۂ طیبہ ہیں۔ آپ کے فضائل کا کوئی انکار نہیں کرتا آپ کا حکم میرے ذاتی مال میں بلا چوں و چرا جاری و منظور ہے۔ لیکن عام مسلمانوں کے مال میں آپ کے والد بزرگوار صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت ہرگز نہیں کر سکتا۔

٭ ٭ ٭

٭ ٭ ٭

اسی قسم کے الفاظ بخاری شریف میں ہیں۔ صدیق اکبرؓ نے سیدہ کی خدمت میں عرض کیا۔

قرابۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احب الی من قرابتی۔!

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار مجھے اپنے رشتہ داروں سے زیادہ محبوب ہیں۔

نیز بخاری شریف میں ہے کہ سیدہؓ کی خدمت میں عرض کیا۔

لست تارکا شیئا کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعمل بہ الا انی عملت بہ فانی اخشی

میں کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑ سکتا جس پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمل کرتے تھے۔ میں ضرور وہی عمل جاری رکھوں گا۔ کیونکہ

ان ترکت شیئاً من امرہ ان ازیغ الخ ! — میں ڈرتا ہوں، اگر کوئی چیز آپ کے عمل سے چھوڑ دوں تو گمراہ ہو جاؤں گا

یعنی سیدہ رضؓ کی خدمت اپنے مال اموال پیش کرنے سے دریغ نہ کیا مگر فدک وغیرہ اموال فئے میں حکم و رضاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کچھ کرنے کو گمراہی جانا۔

(۵) مسئلہ فدک میں یہ امر سب سے زیادہ قابل غور ہے کہ فدک کی محرومی کی وجہ سے جناب صدیق اکبر رضؓ پر سیدہ رضؓ کی ناراضگی کی کہانی اہل السنت والجماعت کی کسی معتبر کتاب میں جناب سیدۃ النساء بی بی فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی زبانی ثابت نہیں کی جا سکتی۔ یہ کوئی ثابت نہیں کر سکتا کہ سیدہ رضؓ نے خود فرمایا ہے کہ ابوبکر صدیق رضؓ نے میرا حق غصب کر لیا ہے اور مجھ پر ظلم کیا ہے میں اس سے ناراض ہوں اس سے کبھی بات چیت نہ کروں گی

ہمارا دعویٰ ہے کہ قیامت تک کوئی شخص اہل سنت کی معتبر کتابوں سے اس قسم کا ثبوت پیش نہیں کر سکتا ناراضگی جو فعل قلب ہے جب تک خود ظاہر نہ کی جاتی دوسرے کو اس کا علم نہیں ہو سکتا ہاں اندازے اور قیاس سے بوجہ بعض قرائن و حالات کے دوسرا شخص بیان کرے گا۔ مگر بالفرض اگر وہ دوسرا شخص معصوم بھی ہو اندازے اور قیاس سے کسی شخص کے متعلق کوئی رائے ظاہر کرے تو اس رائے و قیاس میں غلط فہمی کا احتمال ہو سکتا ہے جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے واقعہ میں موسیٰ علیہ السلام معصوم نبی نے کشتی توڑنے کے وقت رائے ظاہر کی، تو نے کشتی کو

اس لئے توڑا تاکہ کشتی والوں کو غرق کرے، حالانکہ حضرت خضر علیہ السلام نے یہ کام دوسری غرض کے لئے کیا تھا تو دوسرے شخص کے متعلق کوئی رائے یہ ضروری نہیں کہ وہ صحیح ہو۔ تو سیدہؓ اور صدیقؓ کے متعلق کسی دوسرے شخص کا یہ خیال کر باہم ناراض تھے۔ اگرچہ وہ شخص بالفرض معصوم بھی ہو۔ یقیناً اس وقت تک صحیح نہیں ہو سکتا جب تک سیدہؓ خود بنفس نفیس اپنی زبانی ناراضگی کا اظہار نہ فرمائیں، اور یہ بات قطعاً کسی معتبر کتاب اہل سنت سے ثابت نہیں ہو سکتی۔

مگر اس کے برعکس شیعہ کی معتبر ترین کتابوں میں سیدہؓ کی زبانی جناب علی المرتضےٰؓ پر اسی فدک کی وجہ سے سخت ناراضگی ثابت ہے، جس کا ازالہ حضرت علیؓ نے اپنی خلافت میں بھی نہ کیا۔ بلکہ فدک کو جناب رسول کریم علیہ السلام اور صدیق و فاروق و غنی رضی اللہ عنہم اجمعین والے طریقہ پر باقی رکھا اور سابقہ خلفائے راشدین کے طرز عمل میں کسی تغیر کو جائز نہ سمجھا۔ جناب علی المرتضےٰؓ جن پر سیدہؓ کی ناراضگی شیعہ کے نزدیک یقینی ثابت ہے کہ انکو سیدہؓ نے خود ناراضگی کے سخت الفاظ فرمائے انکو امام معصوم اور خلیفہ برحق سمجھنا۔ اور ابوبکر صدیق جن پر سیدہؓ کی ناراضگی کا کوئی یقینی ثبوت نہیں۔ ان کو ظالم، غاصب سمجھنا کس انصاف اور کس دیانت پر مبنی ہے؟

(۶) مسئلہ فدک کو سمجھنے کیلئے یہ حقیقت بھی خوب ملحوظ اور ذہن نشین رہنی چاہیے کہ شیعہ حضرات کے نزدیک سیدہؓ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حیطان سبعہ (سات باغوں) پر قابض اور متصرف تھیں۔ اور حضرت علیؓ

کے املاک، اراضی و باغات اس کے علاوہ تھے۔ ان سات باغوں کی وراثت حسب روایت شیعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا حضرت عباسؓ نے جناب سیدہؓ سے طلب کی تو حضرت علیؓ اور سیدہؓ نے یہی جواب دیا کہ ان میں وراثت نہیں ہو سکتی اور ان سات باغوں میں سے ایک حبہ بھی حضرت عباس کو نہ دیا۔

چنانچہ فروع کافی جلد ثالث ص۲۷ پر ہے۔

عَنْ احمد ابن محمد عن ابی الحسن الثانی علیہ السلام قال سألتہ عن الحیطان السبعۃ التی کانت میراث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لفاطمۃ علیہا السلام فقال لا۔ انما کانت وقفا. کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یاخذ الیہ منھا ما ینفق علی اضیافہ۔ فلما قبض جاء العباس یخاصم فاطمۃ فیھا۔ فشھد علی علیہ السلام

احمد ابن محمد نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے روایت کی کہ میں نے امام موسیٰ کاظم سے ان سات باغوں کے متعلق دریافت کیا جو فاطمہ علیہا السلام کے پاس جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث تھے۔ تو امام صاحب نے فرمایا میراث نہ تھے بلکہ وقف تھے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے آتنا لے لیتے تھے جو کہ مہمانوں کو کافی ہوتا تھا۔ پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رحلت فرما گئے۔ تو حضرت عباسؓ نے ان سات باغوں کی بابت جناب فاطمہؓ سے جھگڑا کیا پھر حضرت علیؓ وغیرہ

وغیرہ انما وقف علی فاطمۃ علیہا السلام وھی الدلال والعفاف والحسنیٰ والصافیہ ومالام ابراھیم والمبیت والبرقہ۔ !

نے شہادت دی وہ وقف ہیں حضرت فاطمہ پر، اور وہ سات باغ۔ دلال، عفاف، حسنیٰ، صافیہ، مالام ابراہیم، مبیت اور برقہ تھے۔ !

اب قابل غور امر یہ ہے کہ جناب سیدہ کے پاس یہ سات باغ بھی تھے اور حضرت علیؓ کی اراضی اور باغات بھی علاوہ تھے تو فدک کے اموال فیٔ کے متعلق اس قسم کا نظریہ کہ یہ اموال فدک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی کو دے دیئے تھے ـــــــ شان نبوت پر سخت حملہ ہے جبکہ کتب شیعہ کے بیان کے مطابق فدک کی پیداوار ہزاروں دینار تھی جیسے کہ ملا باقر مجلسی حیات القلوب میں نقل کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل فدک سے معاہدہ کر لیا کہ وہ ہر سال چوبیس ہزار دینار دیں ـــ تو اس قسم کا نظریہ خلاف قرآن اور شان نبوت کے منافی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، سات باغ بھی سیدہؓ کو دے جا دیں اور ہزاروں دینار جو لاکھوں روپے ہوتے ہیں کی آمدنی کے اموال فیٔ فدک بھی سیدہؓ کو دے جاویں۔ یہ تو کیلا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم کی نص صریح کے خلاف رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ایک خود غرضانہ خویش پروری اور اقربا نوازی کا بدترین الزام منسوب کرنا ہے (العیاذ باللہ) اور آپ کی شان رحمۃ للعالمینی پر سخت بے انصافی اور بے رحمی کا دھبہ ہے حالانکہ اصحاب صفہ و دیگر فقراء مہاجرین و انصار کے پاس بدن ڈھانپنے کے

لئے کپڑا اور پیٹ پالنے کے لئے نان جویں میسر نہ تھی اور جہاد فی سبیل اللہ کے ضروریات اور مصارف میں اس قدر تنگی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری غزوۂ تبوک جو جیش العسرۃ اور سخت تنگی کی گھڑی سے مشہور ہے۔ اس غزوہ میں مجاہدوں ایک ایک دانہ کھجور کا ملتا رہا اور جب وہ ختم ہونے کو آگیا تو چند مجاہدوں کو ایک دانہ دیا جاتا تھا جسے وہ باری باری سے چوس کر پانی پی لیا کرتے تھے اور قرآن مجید میں اس غزوہ کی سواریوں کا نقشہ ان الفاظ میں پیش کرتا ہے۔

ولا علی الذین اذا ما اتوک لتحملھم قلت لا اجد ما احملکم علیہ تولوا و اعینھم تفیض من الدمع حزنا الا یجدوا ما ینفقون ۔

اور ان صحابہ کرام پر کوئی گناہ نہیں جو آپ کی خدمت میں آکر عرض کرتے ہیں کہ ہمارے جہاد میں جانے کیلئے سامان اور سواری کا انتظام فرمائیے آپ ان کو جواب دیتے ہیں کہ مجھے کہیں سے تمہارے لئے سواریاں نہیں مل سکتیں تو وہ بیچارے ایسی حالت میں واپس لوٹتے ہیں کہ ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی بارش ٹپک رہی ہوتی ہے اس غم والم میں کہ انکو جہاد فی سبیل اللہ میں جانے کے لئے کچھ خرچ حاصل نہیں ہو سکتا۔

تو کیا العیاذ باللہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام فقراء مساکین یتامیٰ انصار و مہاجرین کے حقوق اور ضروریات اسلامی کو پس پشت ڈال کر خلاف حکم قرآن اتنا تمام مال اپنی بیٹی کی ملکیت میں دیدیا تھا حالانکہ خود شیعہ کی کتابوں اور اہلسنت کی کتابوں میں ثابت ہے کہ سیدہ رض نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خانگی کاروبار

میں امداد کے لئے لونڈی مانگی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سبحان اللہ، الحمد للہ اللہ اکبر کی تسبیحات نماز کے بعد تینتیس ۳۳ بار پڑھنے کی تعلیم فرما دی اور فرمایا کہ خادموں نوکروں سے ان تسبیحات کا پڑھ لینا بدرجہا بہتر اور کار آمد ہے، اور جب سیدہؓ نے فدک کے متعلق سوال کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف انکار کر دیا اور اپنی زندگی میں اسلامی ضروریات اور بنو ہاشم اور یتیموں مسکینوں اور بیوگان کی ضرورت میں صرف کرتے رہے مگر سیدہؓ کو نہ دیا۔ جیسا کہ مشکوٰۃ شریف، ابو داؤد شریف میں مرقوم ہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا۔

یا ایھا النبی قل لازواجك ان کنتن تردن الحیوٰۃ الدنیا و زینتھا فتعالین امتعکن و اسرحکن سراحًا جمیلًا ۝ وان کنتن تردن اللہ ورسولہ والدار الآخرۃ فان اللہ اعد للمحسنات منکن اجرًا عظیمًا ۝

اے نبی علیہ السلام اپنی ازواج کو فرما دیجئے، اگر تم دنیا کی زندگی اور اسکی زیب و زینت چاہتی ہو تو پس آؤ ہم تمکو یہ سامان دنیا دیکر اپنے سے اچھے طریقہ پر دور اور جدا کر دیں اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور دار آخرت کی طلبگار ہو تو اللہ تعالیٰ نے تم میں سے نیک کام کرنے والیوں کیلئے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔

اور آگے فرمایا۔

انما یرید اللہ لیذھب

اللہ تعالیٰ کا یہی ارادہ ہے کہ تم

عنکم الرجس اھل البیت و یطھرکم تطھیرا ہ

اہل بیت نبوی کو حب دنیا کی میل سے پاک صاف کرکے اللہ اور رسول اور عترت کی محبت کے پاک مقام اور عالی مرتبہ پر فائز کردے

تو کیا رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات کے لئے جس مبغوض چیز سامان دنیا کو ناپسند فرما رہے ہیں۔ اس مبغوض و مذموم سامان دنیا کو اپنی لخت جگر سیدہ کیلئے پسند کیا اور تمام مستحق لوگوں کو محروم کرکے العیاذ باللہ اتنا کثیر مال سیدہ کو دے دیا اور جس دنیا سے پاکی و تطہیر کی بجائے جاگیرداری اور دنیاداری میں ملوث اور مبتلا کر گئے۔

تو آیات قرآنیہ اور طریقہ نبویہ اس بات پر صراحۃً دلالت کرتے ہیں کہ جن حضرات نے ہبہ فدک کی یہ کہانی گھڑی ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فدک سیدہؓ کو ہبہ کردیا تھا۔ یہ بالکل باطل اور موضوع اور شان نبوت کے خلاف ہے اور ہبہ کی کہانی کو شیعہ حضرات کا دوسرا دعوٰی بھی رد کردیتا ہے کہ سیدہؓ نے فدک کے بارے میں صدیق اکبرؓ سے میراث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مطالبہ کیا۔

تو بالفرض اگر فدک کا ہبہ ہوچکا تھا تو اس میں پھر میراث کا سوال کیسے پیدا ہوسکتا ہے۔ جبکہ ایک چیز مورث کی ملکیت بھی نہیں رہی پھر اس میں دعوٰی میراث کیسے ہوسکتا ہے تو حسب قول شیعہ سیدہؓ کا دعوٰی کرنا بھی ہبہ کی کہانی کو بالکل لغو اور باطل قرار دیتا ہے۔

میراث انبیاء علیہم السلام!

اب میراث کے دعوے کی حقیقت بھی سمجھ لیجئے جب سیدہ رض اور علی رض تو حضرت عباس رض کو ان مذکورہ سات باغوں کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ میراث رسول علیہ السلام نہیں۔ یہ تو وقف رسول ﷺ ہیں۔ ان میں میراث نہیں۔

تو فدک جس کو قرآن مجید نے صراحۃً وقف وفی قرار دیا۔ اس میں کیسے وراثت کا سوال جائز ہو سکتا ہے۔ جس طرح ان سات باغوں اور اموال فی فدک وغیرہ میں وراثت کا سوال غلط ہے۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اموال میں وراثت کا سوال باطل اور غلط ہے۔ اگر ہیں اہل سنت اور اہل تشیع کی معتبر روایات واحادیث متفق اور متحد ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی مالی وراثت ہرگز نہیں ہوتی بلکہ صرف علوم واخلاق نبوت ہی ہیں جو ان مقدس بزرگوں کی وراثت ہوتی ہے۔

دلیل اوّل

(۱) حضرت امام جعفر صادقؒ نے فرمایا:-

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان العلماء ورثۃ الانبیاء ان الانبیاء لم یورثوا دینارا ولا درہما	ارشاد فرمایا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ انبیاء کے وارث علماء ہی ہیں۔ کیونکہ انبیاء دینار و درہم (مال دنیا) کا کسی کو وارث نہیں بناتے

ولکن اُولُوْا العلم فمن اخذ منه اخذ بحظ وافر۔ (شیعہ کی معتبر کتاب اصول کافی صفحہ ۱۸)

لیکن علم وراثت میں دیتے ہیں پس جس نے ان کے علم سے حصہ لیا اس نے اچھا حصہ پالیا

دلیل دوم

(۲) حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ شیرِ خدا نے اپنے بیٹے محمد بن حنفیہ کو وصیت فرمائی۔

وتفقہ فی الدین فان الفقہاء ورثۃ الانبیاء ان الانبیاء لم یورثوا دینارًا ولا درھمًا ولکنھم ورثوا العلم فمن اخذ منہ اخذ بحظ وافر۔!

(شیعہ کی معتبر کتاب من لایحضرہ الفقیہ) جلد دوم صفحہ ۳۴۶

اے بیٹے دین کا پورا کامل علم حاصل کر۔ کیونکہ دین کو پوری طرح سمجھنے والے عالم انبیاء کے وارث ہیں۔ کیونکہ انبیاءؑ نے دینار و درہم (دنیاوی اموال) کا وارث کسی کو نہیں بنایا وہ تو صرف علم کی وراثت دے جاتے ہیں تو جس نے اس علم دین کو حاصل کیا اس نے اچھا حصہ پالیا

دلیل سوم

(۳) امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

ان العلماء ورثۃ الانبیاء وذاک ان الانبیاء لم یورثوا درھمًا ولا دینارًا

بیشک علماء ہی انبیا کے وارث ہیں اور یہ اس لئے کہ انبیاء اپنی وراثت درہم و دینار نہیں چھوڑتے بلکہ وہ

وانما اورثوا احادیث من احادیثھم فمن اخذ بشیٔ منھا فقد اخذ حظا وافرًا

(اصول کافی صـ۱۷)

احادیث (علوم و احکام شریعت) ہی انکی وراثت چھوڑ جاتے ہیں۔ پس جس شخص نے احادیث و علوم نبوت سے کچھ حصہ لیا تو اس نے بڑا کافی و وافی حصہ لیا۔

تو ان تینوں روایات نے ثابت کر دیا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب علی المرتضےٰؓ اور جناب امام جعفر صادقؒ نے صاف طور پر فرما دیا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی وراثت مال، درہم و دینار اموال دنیا ہر گز نہیں ہوتی۔ بلکہ ان کی وراثت صرف علوم احادیث و اخلاق نبوت ہوتی ہے جسطرح کہ تیسری روایت میں لفظ انما جو حصر کے لئے ہوتا ہے دلالت کر رہا ہے

دلیل چہارم

(۵) حضرت امام جعفر صادقؒ نے فرمایا:۔

فورث سلیمان داؤد وورث محمد صلی اللہ علیہ وسلم سلیمان۔

(اصول کافی صـ۱۳۷)

حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کے وارث ہوئے اور جناب محمد علیہ السلام حضرت سلیمان علیہ السلام کے وارث ہوئے۔

تو حضرت امام جعفر صادقؒ کے اس ارشاد پر غور کیجئے کیا جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سلیمان علیہ السلام کے قریبی، جدی رشتہ دار ہونے کے باعث ان کے مال اموال کے وارث ہوئے یا ہو سکتے تھے۔ تو امام صاحب کا مقصد یہاں

بھی وہی وراثت نبوت وعلوم واخلاق نبوت ہے۔ یعنی انبیاء علیہم السلام کی وراثت علمی دینی، اور اخلاقی روحانی ہی ہوتی ہے نہ کہ مالی و دنیاوی۔؟

دلیل پنجم

(۵) شیعہ کی معتبر کتاب خصال ابن بابویہ ص۳۹ پر ثابت ہے۔

اتت فاطمۃ بنت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی شکواہ الذی توفی فیہ فقالت یارسول اللّٰہ ھذان ابنان فورثھما شیئاً قال اما الحسن فان لہ ھیبتی واما الحسین فان لہ جرأتی۔

جناب سیدہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مرض الموت میں آئیں اور عرض کیا۔ یہ دونوں بچے ہیں ان کو کچھ میراث دے دیجئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حسنؓ کے لئے میری ہیبت اور حسینؓ کے لئے میری جرأت ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر غور کیجیے کہ آپ نے اپنی وراثت میں اپنے ان دونوں عزیزوں کو اپنے اخلاق ہی عطا کئے اور مالی وراثت کا نام و نشاں بھی نہ لیا۔ نیز شیعہ کی معتبر کتاب "مناقب فاخرہ للعترۃ الطاھرۃ"، ص۱۸۹ پر بھی یہ روایت ثابت ہے اور شرح نہج البلاغۃ حدیدی جلد دوم جز شانزدہم ص۲۶۱ پر بھی یہ روایت موجود ہے۔

دلیل ششم

(۶) عن الفضیل بن یسار قال

فضیل ابن یسار نے نقل کیا کہ میں نے حضرت امام محمد باقر سے سنا۔ وہ فرماتے

سمعت ابا جعفر علیہ السلام یقول لا واللہ ما ورث رسول اللہ العباس و لا علی و لا ورثتہ الا فاطمۃ علیہا السلام

(من لا یحضر الفقیہ ج ۴ ص ۲۱۷)

تجھے اللہ کی قسم کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ اور چچازاد بھائی حضرت علیؓ اور دوسرے تمام رشتہ دار آپ کے وارث نہ ہوئے۔ آپؐ کی وارث صرف اکیلی حضرت فاطمہؑ ہی ہوئی تھیں۔

من لا یحضر الفقیہ کی اس روایتِ معتبرہ پر غور کیجیے کہ امام محمد باقر فرماتے ہیں کہ آنحضرتؐ کی وراثت نہ حضرت عباسؓ کو ملی اور نہ کسی دوسرے وارث و رشتہ دار ازواج مطہرات وغیرہ کو سوائے بی بی فاطمہ علیہ السلام کے کوئی حقدار وراثت نہ تھا۔

تو اب غور کیجیے قرآن کریم میں جو وراثت مالی کا قانون اور حکم منصوص بیان فرمایا گیا ہے کہ وراثت مالی لڑکی کو نصف اور ازواج کو آٹھواں حصہ دیا جائے گا۔ پس اگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی یہی مالی وراثت بموجب حکم قرآن ہوتی۔ تو پھر شیعہ حضرات کے نزدیک امام صاحب کیوں یہ ارشاد فرماتے کہ حضور علیہ السلام کے تمام رشتہ دار اور حقدار آپ کے وارث نہ ہوئے بلکہ صرف اکیلی جناب فاطمہ علیہا السلام مالک و وارث ہوئی تھیں۔ یہ تمام مذکورہ روایات صراحۃً دلالت کرتی ہیں کہ ائمہ کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مالی وراثت اس طرح ہرگز نہ تھی جس طرح کہ عام مسلمانوں کی مالی وراثت ان کے ورثاء اور رشتہ داروں میں، بموجب حکم قرآن تقسیم ہوتی ہے۔ بلکہ حضور علیہ السلام اس مالی وراثت کے حکم سے خارج اور مستثنیٰ ہیں۔

اور اہل السنۃ والجماعت بھی تو یہی کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کے ارشاد

نحن معاشر الانبیاء لا نورث ما ترکنا فھو صدقۃ

ہم انبیاء مالی وراثت نہیں چھوڑ جاتے بلکہ جو مال چھوڑ جاتے ہیں وہ وقف وصدقہ فی سبیل اللہ ہوتا ہے۔

کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مالی وراثت نہ تھی اور آپ اس مالی وراثت کے حکم سے خارج دستثنےٰ ہیں۔

سیّدہؓ کے سوال کی کیفیت

عام طور پر شیعہ حضرات اور ان کے ذاکرین ومجتہدین بڑی شدت سے یہ دعوی کیا کرتے ہیں کہ اہل سنت کی بخاری شریف میں ثابت کہ سیدہؓ ابوبکر صدیقؓ کے دربار خلافت میں گئیں۔ اور وراثت رسول علیہ السلام کا سوال کیا مگر ابوبکر صدیقؓ نے حدیث رسول سنا کر سیدہؓ کو خالی ہاتھ واپس کیا جس سے وہ ناراض ہو گئیں۔

اور بعض اہل سنت والجماعت بھی اپنے مطالعہ کی کمی اور بخاری شریف وغیرہ کتب احادیث کو پوری طرح نہ دیکھنے کے باعث یہی خیال کرتے ہیں کہ سیدہؓ نے جاکر جناب ابوبکر صدیق رضؓ سے وراثت کا سوال کیا۔

مگر یہ خیال بالکل غلط ہے۔ بخاری شریف اور مسلم شریف وغیرہ کی تحقیق سے جو کچھ ثابت ہے۔ وہ یہ ہے کہ سیدہؓ بالکل جناب ابوبکر صدیقؓ کے پاس دربار خلافت میں اس سوال کے لئے نہیں گئیں۔ بلکہ سیدہؓ نے اپنا آدمی بھیجا۔

جس نے جاکر جناب ابوبکر صدیق رضؓ سے یہ سوال کیا دیکھئے بخاری شریف جلد اول، صفحہ ۵۲۶ پر ثابت ہے۔

عن عائشة رضؓ ان فاطمة ارسلت الى ابى بكرٍ تسئله ميراثها من النبى صلى الله عليه وسلم مما افاء الله

حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ سے روایت ہے کہ جناب فاطمہ رضؓ نے حضرت ابوبکر صدیق کے پاس آدمی بھیج کر اموال فیئ میں میراث کا سوال کیا۔ الخ۔

تو بخاری شریف کے یہ الفاظ ارسلت فاطمة، الخ صراحةً دلالت کرتے ہیں کہ خود سیدہ رضؓ نہیں گئیں بلکہ کسی قاصد کو بھیج کر سوال کیا۔ تو جس روایت میں سیدہ کے سوال کرنے اور جانے کا ذکر ہے وہ مجازی طور پر ہے۔ کیونکہ واقعہ واحد ہے۔ یعنی جو کام کسی کے حکم سے کیا جاتا ہے اس کام کو اس حکم کرنیوالے کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ بادشاہ نے نہر نکالی ہے یا سڑک بنائی ہے۔ تو خود بادشاہ نہ تو نہر نکالتا ہے اور نہ سڑک بناتا ہے۔ بلکہ مزدور و مستری یہ کام کرتے ہیں۔ بادشاہ کے حکم کی وجہ سے وہ کام اس کی طرف منسوب ہوتا ہے اس لئے یہاں بھی سوال کرنے یا آنے کا جو ذکر سیدہ کے متعلق ہے وہ بطور مجاز اور حکم دینے اور آدمی بھیجنے کے ہے

سیدہ کے سوال کی حقیقت و حکمت

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مالی وراثت نہ تھی اور جبکہ صراحۃً قرآن مجید اموا

فئی کے متعلق حکم دے رہا ہے کہ اللہ و رسول اور ذوالقربیٰ اور یتامیٰ و مساکین اور ابن سبیل اور فقراء مہاجرین و انصار وغیرہ کیلئے ہیں۔ کسی کے قبضہ میں اس طرح نہ دیئے جائیں، کہ یہ مال دولتمند و بے حاجت لوگوں کے قبضہ اور تصرف اور لینے دینے میں آجاویں

تو سیدہ کے وراثت کے سوال کا مقصد کیا تھا۔؟ تو اس کا جواب یہ ہے جو زبدۃ المحققین، عمدۃ المتاخرین حضرت علامہ سید محمد انور شاہ صاحب مرحوم نے عرف شذی شرح ترمذی صفحہ ۲۰۵ پر سید سمہودی کا قول نقل کیا ہے، کہ "حضرت فاطمہؓ کا سوال ترکہ کے حصول ملکیت یعنی مالک بننے کے خیال اور ارادہ سے نہ تھا۔ بلکہ صرف ان اموال فئی اور وقف اموال میں بطور قرابت و رشتہ داری متولی بننے کے متعلق تھا۔" جس کے جواب میں صدیق اکبرؓ نے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سنادی جو کہ حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ، حضرت عبدالرحمن بن عوف وغیرہ کبار صحابہؓ بہت سے حضرات جانتے تھے کہ نبی علیہ السلام کے اموال متروکہ میں کسی قسم کی وراثت نہیں چل سکتی۔ نہ مالکانہ، نہ متولیانہ۔ بس اس حقیقت کے بعد پھر کبھی سیدہؓ کو صدیقؓ سے اس سوال کی نوبت نہیں آئی۔ جبکہ صدیق اکبرؓ نے کہا۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لانورث ما ترکنا فھو صدقۃ۔ انما یاکل آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم من ھذا

تحقیق جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہماری مالی وراثت نہیں ہوتی جو کچھ ہم چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ وقف ہوتا ہے تو اس مال سے آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نان نفقہ خرچ ہوتا رہیگا۔

المال ......! وانی واللّٰہ لا اغیر شیئًا من صدقات النبی صلی اللہ علیہ وسلم التی کانت علیہا فی عہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولا عملن فیہا بما عمل فیہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم -!

(بخاری شریف جلد اول ص ۵۲۶)

...... اور تحقیق میں خدا کی قسم کر کے کہتا ہوں کوئی معمولی سی معمولی چیز بھی صدقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے تبدیل نہ کروں گا۔ وہ صدقات جسطرح کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں تھے۔ جوں کے توں اسی طرح رکھوں گا اور ضرور بالضرور ان صدقات میں بعینہٖ وہی عمل اور دستور جاری رکھوں گا جو خود حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل تھا۔

یعنی صدیق اکبرؓ نے سیدہ کی خدمت میں یہی کہلا بھیجا کہ میں عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جاری رکھوں گا اور اس مال سے آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خرچ خوراک ہوتا رہے گا۔ تو سیدہؓ صدیقؓ کے اس جواب سے مطمئن ہو گئیں۔ کہ صدیق اکبرؓ عمل نبوی میں کسی قسم کے ردوبدل کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔

خود شیعہ حضرات کی معتبر کتابوں میں بھی ثابت ہے کہ سیدہؓ صدیقؓ کے اسی جواب پر مطمئن اور خوش ہو گئیں۔ اور ان اموال فے فدک وغیرہ سے اپنے تمام اخراجات بھی صدیقؓ سے وصول کرتی رہیں۔ صدیقؓ نے سیدہؓ کی خدمت میں عرض کیا۔

لک علی اللّٰہ ان اصنع

میں تیرے سامنے اللہ تعالیٰ کا عہد کر کے

بها كما كان يصنع فرضيت بذلك واخذت العهد عليه به وكان ياخذ غلتها فيدفع اليهم منها ما يكفيهم الخ.

(شیعہ کی معتبر کتاب شرح نہج البلاغة درة نجفية ص۳۳۲)

کہتا ہوں کہ میں ان اموال فئی فدک وغیرہ میں اسی طرح کروں گا۔ جس طرح آنحضرت علیہ السلام کرتے تھے پس سیدہؓ اس بات پر راضی اور خوش ہو گئیں اور صدیق اکبرؓ سے یہی عہد لے لیا اور صدیق اکبرؓ ان اموال فئی کی پیداوار وصول کر کے حضرت سیدہ اور ان کے گھرانے کیلئے ان کا تمام خرچ کافی ووافی دے دیا کرتے تھے۔

درحقیقت سیدہ کے سوال کا مقصد اور منشا یہی تھا کہ قریبی رشتہ داروں کو اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اموال فئے کا متولی بنایا جاوے۔ مگر چونکہ اس متولی بنانے میں یہ اندیشہ اور خطرہ تھا کہ لوگوں میں یہ غلط فہمی ہو جائیگی کہ اموال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو وقف تھے ان میں وراثت جاری کر دی گئی۔ اور آئندہ کے لئے ان اموال فئے کو بجائے وقف سمجھنے کے ورثاء اور رشتہ داروں میں تقسیم ہو جانے کا غلط خیال جاری ہو جاتا جس کو ابتداء ہی سے بند کر دیا گیا۔

اور اسی وجہ سے حضرت عمرؓ نے بھی اپنی خلافت کے دوران میں حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کو اراضی اور باغات فئی ، جو ان دونوں حضرات کی تولیت میں تھے تقسیم تولیت کے سوال پر انکار کر دیا۔ تاکہ ان میں تقسیم بطور وراثت نہ سمجھی جاوے یا سیدہؓ اس سوال کو عدالت میں پیش کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی صداقت

کو واضح فرمانا چاہتی تھیں تاکہ عدالت میں یہ بات پیش ہو کر خوب واضح و مشہور ہو جائے کہ حضورؐ کا اعلانِ نبوت صرف اللہ تعالیٰ کے ارشاد اور تبلیغ دین اور ہدایت خلق کے لئے تھا نہ کہ اپنی اولاد و اقربا کو جاگیردار اور مالدار بنانے کیلئے حتیٰ کہ حضورؐ کی مقبوضہ جائیداد تک بھی کسی رشتہ دار کو نہیں مل رہی۔ نبی علیہ السلام کی جان و مال ہر چیز اللہ تعالیٰ کے لئے وقف تھی۔

یہ سوال عدالت میں پیش نہ ہونے کی صورت میں ممکن تھا کہ لوگ یہ خیال کرتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت بھی باقی لوگوں کی طرح تقسیم ہوئی ہوگی۔

اور اس کے ساتھ ساتھ سیدہؓ نے اپنی اولاد در اولاد کیلئے بھی اپنی موجودگی میں یہ فیصلہ کرا کر واضح کرا دیا تاکہ میری اولاد کبھی میرے بعد اموال رسول میں میراث رسول میں ... میراث حاصل کرنے کی سعی نہ کرتی رہے۔ یا سیدہؓ صدیق اکبرؓ کے خیال و ارادہ کی تحقیق کرنا چاہتی تھیں کہ حضور علیہ السلام کی طرح یتمیٰ، مساکین اور بنی ہاشم وغیرہ مستحقین پر خرچ کریں گے۔ یا کوئی طرز جدید اختیار کریں گے۔ جب صدیق اکبرؓ نے یہ کہا کہ "میں بعینہٖ اسی طرح کروں گا جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے۔ تو سیدہؓ مطمئن اور خوش ہو گئیں۔

نیز سیدہؓ نے اس سوال و جواب کے ذریعہ صدیق کی صداقت کو دنیا کے سامنے واضح کر دیا کہ خلیفہ رسول مقبول حکم رسول مقبول کے خلاف کسی کی رو رعایت نہیں کرتا۔ خواہ کیسی محبوب و معزز ترین ہستی کیوں نہ ہو۔

اہل التشیع کے دلائل وراثت

دلیل اوّل

۱. قرآن مجید میں ہے۔

يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِيْ أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ الآیۃ	اللہ تعالیٰ تمہیں حکم کرتے ہیں کہ تمہاری وراثت سے تمہاری اولاد میں ایک بیٹے کو دو بیٹیوں کے برابر حصہ ملتا ہے۔

اس آیۃ میں عام حکم ہے۔ جس سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر نہیں ہیں۔ ان کا مال بھی انکی بیٹی کا حق تھا۔ لیکن ابوبکر صدیقؓ نے سیدہؓ کو وراثت نہ دی اور صریح قرآن کے خلاف حدیث نحن معاشر الانبیاء لا نورث خود اپنی روایت پیش کر کے سیدہؓ کو حق نہ دیا۔

الجواب

اس آیۃ میں خطاب امت کو ہے۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں داخل نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ اہلسنت اور اہل تشیع دونوں کے مذہب میں ثابت و محقق ہے کہ انبیاء کرام کی مالی وراثت ہرگز نہیں ہوتی۔ جس طرح کہ ہم اہل تشیع کی معتبر کتابوں سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم اور حضرت علیؓ اور امام جعفر صادقؒ کے فرمان نقل کر چکے ہیں اور امام اہل سنت کی کتابوں میں خود حضور علیہ السلام سے صحیح احادیث، متعدد صحابہ کرامؓ حضرت حذیفہؓ بن یمانؓ، زبیر بن العوام، عباس و علی، عثمان، عمرؓ، عبدالرحمن بن عوف، سعد ابن وقاص ابو درداءؓ، ابوہریرہ اور ازواج مطہرات سے منقول و مروی ہیں کہ انبیاء کرام کی مالی وراثت نہیں ہوتی۔

یہ حدیث صرف ابوبکر صدیقؓ کی روایت نہیں بلکہ مذکورہ بالا تمام صحابہ کرام اور ائمہ اہلبیت سب کے ہاں مشہور و معروف تھی۔ اگر صرف ابوبکر صدیقؓ نے سنی ہوتی تب بھی وہ حدیث موجب علم یقینی تھی۔ کیونکہ حدیث کے متواتر و مشہور اور خبر واحد ہونے کی تقسیم ان لوگوں کے لئے ہے۔ جنہوں نے خود حضور علیہ السلام سے نہ سنا ہو۔ حضور علیہ السلام سے خود سننے کے بعد قطعی و یقینی ہونے میں قرآن مجید اور حدیث شریف میں کوئی فرق نہیں رہتا۔

لہذا اس قطعی و یقینی حدیث رسول مقبول ﷺ نے آیۃ یوصیکم اللہ الخ کے خطاب کی تعیین و تشریح کر دی کہ یہ امت کے ساتھ مخصوص ہے۔ آنحضرت ﷺ اس حکم میں داخل نہیں۔ جیسا کہ :۔

فانکحوا ما طاب لکم من النسآء مثنیٰ و ثلٰث و ربٰع۔ ؟	نکاح کرو عورتوں میں سے جنکو پسند کرو۔ دو یا تین یا چار۔ !

میں صرف امت کیلئے حکم ہے اور حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم مستثنٰے ہیں کیونکہ آنحضرت ﷺ کو چار سے زیادہ عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت تھی۔

تو اس حدیث سے اس آیت کی تخصیص و تعیین اور تشریح ہو رہی ہے مخالفت لازم نہیں آتی۔ جس طرح کہ خود شیعہ حضرات کے نزدیک بھی اس آیت سے بہت سی چیزوں کی تشریح ہو چکی ہے جیسے باپ کی کافر اولاد اور غلام اور قاتل اولاد اور لعان کے بعد پیدا ہونیوالی اولاد وارث نہیں ہوتی۔

دلیل دوم

وَوَرِثَ سُلَیْمَانُ دَاوٗدَ (الآیۃ)

اور سلیمان علیہ السلام، داؤد علیہ السلام کا وارث ہوا۔

تو اس آیت سے معلوم ہوا کہ انبیاء کی وراثت مالی بھی ہے۔

الجواب

اس آیت میں وراثت سے مراد علوم و نبوت و بادشاہت کی وراثت ہے اس آیت کا سیاق و سباق اور مقام مدح کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اس سے مراد وراثت علمی اور نبوت میں قائم مقامی ہے۔ کیونکہ داؤد علیہ السلام کے انیس بیٹے تھے تو ان میں سے صرف اکیلے سلیمان علیہ السلام کو کیسے مالی وراثت مل سکتی تھی کہ باقی سب محروم ہوں۔

شیعہ کی معتبر کتاب اصول کافی کی روایت بھی اسی معنے کی تائید کرتی ہے۔ صفحہ ۱۳۷ پر مرقوم ہے۔

قال ابو عبد اللہ علیہ السلام ان سلیمان ورث داؤد وان محمدًا ورث سلیمان

امام جعفر صادق رح نے فرمایا کہ سلیمان ؑ داؤد ؑ کے وارث ہوئے اور جناب محمد صلی اللہ علیہ السلام سلیمان ؑ کے وارث ہوئے۔

تو اس میں بھی یہی علوم نبوت کی وراثت مراد ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سلیمان علیہ السلام کے مال کے وارث تو ہرگز نہیں ہوئے۔

دلیل سوم

حضرت زکریا علیہ السلام نے دعا مانگی، کہ :-

ھب لی من لدنک ولیا یرثنی ویرث من آل یعقوب (الآیۃ)	اے میرے رب! مجھے ایک بیٹا دے جو میرا وارث ہو اور آل یعقوب کا وارث بنے۔

تو اس آیت سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کی وراثت مالی ہے۔

الجواب :-

اس آیت میں بھی وراثت سے مراد مالی وراثت ہرگز نہیں ہوسکتی۔ بلکہ علوم اور نبوت میں قائم مقامی اور وراثت مراد ہے۔ کہ میرا اور آل یعقوبؑ کے علوم و اخلاق نبوت کا قائمقام اور وارث بنے ورنہ زکریاؑ کے وقت آل یعقوب بنی اسرائیل کے ہزاروں لاکھوں آدمی موجود تھے، ان سب کی مالی وراثت حضرت زکریا علیہ السلام کے بیٹےؑ کو کس طرح حاصل ہوسکتی تھی۔ علاوہ ازیں پیغمبر کی شان نبوت کے خلاف ہے کہ مال دنیا کی فکر میں خوفزدہ ہوکر دعا مانگے کہ شرعی حکم سے وارث ہونے والے میرے چچازاد بھائی نہ لے جاویں ہم دعوے سے کہہ سکتے ہیں کہ قرآن کریم میں کہیں انبیاء علیہم السلام کی مالی وراثت ان کے اقرباء و ورثاء میں تقسیم ہونے کا ثبوت نہیں ملتا۔ بلکہ یہ ثابت کرنا اور بھی زیادہ مشکل ہے کہ کسی نبی کے بعد اسکی بیٹی یا پوتی یا زوجہ وغیرہ یا کوئی

عورت اس کی وارث بنائی گئی ہو۔

کیا سیدہؓ و علیؓ سے یہ حقیقت مخفی تھی کہ خواہ مخواہ سیدہؓ کو نبی علیہ السلام کے ترکہ کا وارث خیال کرتے ہوں۔ اور آیات مذکورہ سے اس قسم کا استدلال کرتے ہوں

علاوہ ازیں جب حضرت عباسؓ نے اراضی فئی کی مشترکہ تولیت کو چھوڑ دیا تو وہ اراضی صرف حضرت علیؓ کی تولیت میں رہیں۔ اگر وراثت ہوتی تو حضرت علیؓ کیسے حضرت عباسؓ کا حق اپنے قبضہ میں رکھ سکتے تھے۔ بلکہ حضرت علیؓ کے بعد وہ اراضی حضرت حسنؓ مجتبےٰ کے قبضہ میں اور ان کے بعد صرف حضرت حسینؓ کے قبضہ میں رہیں۔

اگر یہ وراثت ہوتی تو حضرت عباسؓ اور ازواج مطہراتؓ اپنا حصہ لیتے اور پھر حضرت علیؓ کے بعد حضرات حسنؓ و حسینؓ اور انکی ہمشیرگانؓ اپنے حصص تقسیم کر لیتے اور اگر نبی علیہ السلام کے ترکہ کا تقسیم نہ کرنا ظلم تھا تو یہ ظلم صرف سیدہ پر نہیں ہوا۔ بلکہ حضرت عباس اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ازواج مطہرات جن میں خود صدیق اکبرؓ کی صاحبزادی ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ بھی تھیں ان سب پر ظلم ہوا۔

حضرت علیؓ اور حضرت حسنؓ کی خلافت راشدہ میں بھی اراضی فدک وغیرہ کی آمدنی اسی طرح سے تقسیم ہوتی رہی جس طرح صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ وغیرہ کے زمانہ میں ہوتی تھی اور

اہلبیت نبوت کے چشم وچراغ حضرت زید ابن شہید نے فرمایا۔

اما انا لو کنت مکان ابی بکر	اگر ابو بکر صدیقؓ کی جگہ میں ہوتا
حکمت کما حکم بہ ابو بکر	تو فدک کے بارے میں وہی فیصلہ کرتا

فی فدک ۔ | جو ابوبکر صدیق نے کیا تھا۔

(ہدایہ، نہایہ ج ۵ ص ۲۸۹)

اگر فدک کو عملِ رسول مقبولؐ کے مطابق رکھنا ناحق اور ناجائز تھا تو اس میں حضرت صدیق رضؓ کے ساتھ حضرت علیؓ، حضرت حسنؓ و حسینؓ اور زید شہید سب کے سب شریک ہیں

سوال:۔ اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث نہیں تھی تو ازواج مطہرات کو حجرے کیوں دیئے گئے۔؟

جواب:۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ میں جس طرح سیدہ فاطمہ اور حضرت اُسامہ کو گھر بنوا کر ان کی ملکیت میں دیدیئے تھے۔ اسی طرح ہر ایک زوجہ مطہرہؓ کیلئے ایک ایک حجرہ بنوا کر ان کے قبضہ میں دیدیا تھا قرآن مقدس سے بھی یہی معلوم و مفہوم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وقرن فی بیوتکن | اے حضور کی ازواجِ مطہرات اپنے گھروں میں رہو۔

اس سے ثابت ہوا کہ حجرے ازواج مطہرات کی ملکیت تھے۔ بطور میراث انکو نہیں دیئے گئے تھے۔

اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ یہ حجرات مبارکہ ازواج مطہرات رضؓ کی ملکیت نہیں تھے بلکہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت تھے۔ تو پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرات امہات المؤمنین کو ان حجروں میں رہنے کا استحقاق اس طرح ہے۔ جس طرح ایک عام مسلمان عورت کو خاوند کی وفات کے بعد، ایام عدت میں خاوند کے مکان میں رہنے کا حق ہے۔ کیونکہ ان ایام عدت میں وہ

دوسرا نکاح نہیں کر سکتی۔

چونکہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ازواج مطہرات کو شرعاً کسی اور سے نکاح کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ لہذا انکو بھی تاحین حیات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکانات میں رہائش اور سکونت کا استحقاق ہے اور وہ عملاً انہی کے ملک میں رہی گے۔

روایت ہبہ؟

ہبہ فدک کا خیال اگرچہ مطالبۂ وراثت کے بعد بالکل باطل ہو جاتا ہے۔ تاہم بعض روایات میں ہبہ کو ثابت اور بیان کیا گیا ہے وہ سب روافض کی اپنی بنائی ہوئی جھوٹی اور موضوع ہیں اور ان کے راوی رافضی ہیں۔

قصہ ہبہ کے خلاف اہل سنت کی کتب معتبرہ میں ثابت ہے کہ جب حضرت عمر ابن عبد العزیز خلیفہ ہوئے تو بنی مروان کو جمع کر کے فدک کے متعلق فرمایا

ان فاطمۃ رض سئلت ان یجعلھا لھا فابیٰ۔؟

سیدہ فاطمہ رض نے عرض کی کہ حضور مجھے فدک دیدیں۔ تو حضور نے انکار کر دیا۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تو حضرت صدیق اکبر رض اور حضرت فاروق اعظم رض اپنے دور خلافت میں فدک کے متعلق وہی کرتے رہے جو عمل رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کر گئے۔ حتی کہ مجھ تک پہنچ گیا۔ جب حضور پر نور صلی اللہ علیہ

وسلم نے فدک سیدہ فاطمہؓ کو نہ دیا۔ تو جو چیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہؓ کو نہیں دی۔ میرے لئے بھی اپنے ملک اور قبضہ میں رکھنا جائز نہیں۔ میں تم کو گواہ کر کے فدک کو اسی حالت پر رد کرتا ہوں جس حالت پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھا

(ابوداؤد شریف۔ مشکوٰۃ شریف)

تحقیق روایت ناراضگی

اب قابل غور امر یہ ہے کہ جناب سیدہؓ نے صدیقؓ سے وراثت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا سوال کیا تو صدیقؓ نے حدیث رسولؐ —— نحن معاشر الانبیاء لا نورث ماترکنا فھو صدقۃ؛ بیان کی تو سیدہؓ غضبناک ہو گئیں۔ اور پھر کبھی کلام نہ کیا۔ اسکی کیا حقیقت ہے؟

الجواب:۔ درحقیقت اصل روایت یہ ہے۔ جب صدیق اکبرؓ نے حدیث رسول اللہؐ بیان کی۔ جو کہ متعدد حضرات صحابہؓ و اہلبیتؓ جانتے اور مانتے تھے، تو سیدہ مطمئن اور خوش ہو گئیں اور اس بارے میں وفات تک پھر کسی قسم کا کلام نہ کیا۔ اصل روایت میں یہ ہرگز نہ تھا کہ صدیق اکبرؓ سے کوئی کلام نہ کیا اور ان سے ناراض ہو گئیں تھیں۔ کیونکہ سیدہ کا حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سن کر ناراض ہونا ممکن ہی نہیں بلکہ ایک ادنیٰ مسلمان بھی ایسا نہیں جو کہ حدیث رسول سن کر ناراض

ہو۔ چہ جائیکہ سیدہ رضی اللہ عنہا ناراض ہوں۔

تو غَضِبَتْ کا لفظ روایت میں کیوں آگیا۔ اس کا جواب کیا ہے۔؟

(۱) روایت فدک اصل میں صرف تین صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہ۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوالطفیل کی روایت میں ناراضگی کا نام و نشان نہیں۔ اور حضرت عائشہ صدیقہ کی روایت میں زہری کے ذریعہ سے اور زہری کے متعدد شاگردوں میں سے بعض نے کسی جگہ ناراضگی کا ذکر کیا اور کسی جگہ نہ کیا۔ لیکن دوسرے بعض نے بالکل ذکر ہی نہیں کیا۔

اور جہاں جہاں ناراضگی کا ذکر ہے۔ اس میں خود سیدہ رضی اللہ عنہا کی زبان سے کسی صحیح روایت میں ان کا غضبناک اور ناراض ہونا ثابت نہیں۔ ناراضگی فعل قلب ہے جب تک ظاہر نہ کیا جاوے دوسرے شخص کو اس کی خبر نہیں ہو سکتی۔ البتہ قرائن سے دوسرا شخص قیاس کر سکتا ہے۔ تو قیاس و اندازہ سے راوی نے ناراضگی سمجھ کر "غَضِبَتْ" روایت کیا ہے۔ جو اسکی غلط فہمی کا نتیجہ ہے بمقتضائے بشریت غلط فہمی ہو سکتی ہے۔ کیونکہ قرائن خارجی سے نتیجہ نکالنے میں کبھی بڑوں سے بھی ایسی بات ہو جاتی ہے۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور سے واپسی پر یہ سمجھا کہ ہارون علیہ السلام نے ان کے پیچھے قوم کی خبر گیری میں میرے حکم کی اچھی طرح تعمیل نہیں کی۔ حتیٰ کہ غصہ میں ہارون علیہ السلام کی داڑھی اور سر کے بال پکڑ کر کھینچے حالانکہ ہارون علیہ السلام بالکل بے قصور تھے۔ اور

موسیٰ علیہ السلام کا یہ اندازہ ہارون کی بابت درست نہ تھا۔

(۲) علاوہ ازیں بعض چیزیں راوی اپنے قیاس سے صحیح سمجھ کر واقعہ بیان کرتا ہے مگر حقیقت میں وہ اس کا بیجا قیاس اور تاثر ہوتا ہے یہ صحیح واقعہ نہیں ہوتا اس کی سیرت میں بہت سی مثالیں موجود ہیں

ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات سے چند روز بالاخانہ میں قیام پذیر ہو گئے تو مشہور ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات کو طلاق دیدی ہے۔ حضرت عمرؓ یہ خبر سن کر مسجد میں آئے جہاں لوگ یہ کہہ رہے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق دیدی ہے۔ حضرت عمرؓ نے بالاخانہ میں جاکر حضور علیہ السلام سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کوئی طلاق نہیں دی۔

جس طرح حضور علیہ السلام کی خلوت نشینی اور ازواج کے پاس آنے جانے سے رک جانے کے باعث لوگوں نے اپنے قیاس و اندازہ سے طلاق سمجھ لی تھی۔ حالانکہ واقع میں کوئی طلاق نہ تھی اسی طرح اس روایت کے راوی نے اپنے استاد سے لم یتکلم کے الفاظ سنے اور اس سے اپنی غلط فہمی کے باعث ناراضگی سمجھ کر غضبت کا لفظ روایت میں بیان کر دیا اور پھر ایک دوسرے سے نقل ہوتا گیا حالانکہ لم یتکلم کا مقصد یہ تھا کہ سیدہؓ کو فدک کے متعلق تسلی ہو گئی کہ اس میں وراثت جاری نہیں۔ اور اس میں مثل عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمل جاری رہتا ہے تو پھر اس بارے میں کبھی کوئی کلام دوبارہ نہ کیا۔

یہ مراد ہرگز نہ تھی کہ صدیقؓ پر ناراض ہو کر کلام تکلم بند کر دیا اس غلط فہمی کے بیان سے راوی کے عدل و صداقت، اور ثقہ و معتبر ہونے پر کوئی اعتراض و شک نہیں ہو جاتا

توجس طرح حضور علیہ السلام سے دریافت کرنے کے بعد ثابت ہوا کہ لوگوں کا قیاس غلط تھا واقعہ اس طرح نہ تھا تو اسی طرح اس ناراضگی سیدہ کے متعلق جب تک سیدہ کی زبانی ثبوت نہ ملے کیسے یقین و جرأت کی جا سکتی ہے کہ صدیق رضؓ سے حدیث رسول سن کر سیدہ رضؓ فی الواقع ناراض ہو گئی تھیں۔ بلکہ راوی نے اپنا قیاس و اندازہ ناراضگی کا لگایا ہے جو فی الحقیقت واقعہ نہیں ہے۔ کیونکہ متکلم کے الفاظ اپنے استاذ سے سنے اور اس کا سبب ناراضگی سمجھ کر روایت بالمعنی میں غضبت کا لفظ بیان کر دیا جس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ ایک استاد زہریؒ سے اس کے مختلف شاگرد مختلف الفاظ میں روایت بیان کر رہے ہیں۔ اور غضبت ذکر کرنیوالے شاگرد بھی کبھی اس لفظ کو بیان کرتے ہیں۔ کبھی نہیں کرتے جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ روایت بالمعنی کر رہے ہیں۔ تو روایت بالمعنی کرنے میں راوی سے غلط فہمی ہو گئی۔ اور بخاری شریف کے صحیح ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے راوی ثقہ، عادل و معتبر ہیں۔ وضاع و کذاب نہیں۔ ان میں اگر ایک سے خطا اجتہادی یا غلط فہمی ہو جائے تو یہ ان کی صداقت و عدالت، دیانت و ثقاہت کے خلاف نہیں اور نہ اس سے کتاب کی صحت پر حرف آتا ہے۔

بالفرض اگر ناراضگی کا واقعہ ہوتا تو صحابہ کرام رضؓ اور اہل بیت عظام اور تابعین و اہل مدینہ میں اس کا عام چرچا اور شہرت ہوتی۔ لیکن سوائے زہریؒ کے بعض شاگردوں کے اور کوئی اسکو ذکر نہیں کرتا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ناراضگی کا کوئی واقعہ نہیں تھا۔

عقل و روایت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ سیدہ رضؓ جن کا لقب "بتول"

یعنی تارک دنیا اور خاتون جنت اور مخدومۂ کائنات ہو۔ صدیق اکبر سے حدیث رسول مقبول علیہ السلام سنکر ہرگز ناراض نہ ہوں بلکہ راضی اور خوش ہوں

رضامندی سیدہ رض

کیونکہ کتب اہل سنت اور اہل تشیع میں سیدہ کی رضامندی کے روایات اور واقعات بھی ثابت ہیں۔ بیہقی، شرح بخاری و شرح مشکوٰۃ۔ نبراس شرح شرح عقائد صفحہ ۵۵ البدایہ والنہایہ۔ طبقات ابن سعد وغیرہ کتب اہل سنت میں سیدہ کی رضامندی ثابت ہے۔

حضور علیہ السلام کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رض جناب سیدہ کی خدمت میں حضرت علی رض کی موجودگی میں گئے اور کہا:۔

واللہ ما ترکت الدار والمال والاہل والعشیرۃ الا ابتغاء مرضاۃ اللہ، ومرضاۃ رسولہ ومرضاتکم اہل البیت ثم ترضاھا حتی رضیت وھذا اسناد جید قوی۔!

(البدایۃ والنہایۃ ج ۵ ص ۲۸۹ عماد الدین ابن کثیر)

اللہ کی قسم! میں اپنا گھر بار، مال اور اہل وعیال، قوم برادری، سب کچھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ السلام کی رضاجوئی اور تم اہلبیت نبوت کی رضاجوئی کے لئے چھوڑ چھاڑ آیا ہوں۔ پھر آپ نے سیدہ کو خوش کیا تو حضرت سیدہ رض نہایت راضی خوش ہو گئیں اور روایت کی سند نہایت عمدہ، صحیح اور معتبر و مضبوط ہے۔

شیعہ کی معتبر کتاب شرح نہج البلاغۃ ابن میثم بحرانی جزء ۵ ص ۵۴۳ من کتاب الی عثمان ابن حنیف، دوسری کتاب شرح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید ص ۲۹۶ جزء شانزدہم اور تیسری کتاب درہ نجفیہ مطبوعہ طہران ص ۳۳۲ پر ہے

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یاخذ من فدک قوتکم و یقسم الباقی و یحمل منہ فی سبیل اللہ ولک علی اللہ ان اصنع بھا کما کان یصنع فرضیت بذلک واخذت العھد علیہ بہ وکان یاخذ غلتھا فید فع الیھم منھا ما یکفیھم ثم فعلت الخلفاء بعدہ کذلک الی ان ولی معاویۃ رض۔

جناب صدیق اکبر رض نے حضرت سیدہ رض کی خدمت میں عرض کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فدک کی آمدنی سے تمہارا خرچ لے لیا کرتے تھے۔ باقی ماندہ تقسیم فرماتے اور فی سبیل اللہ جہاد وغیرہ میں سواریاں لے دیتے تھے۔ اور اللہ کی قسم کھا کر تم سے معاہدہ کرتا ہوں کہ میں فدک میں اسی طرح کروں گا جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے تو حضرت سیدہ رض فدک کے اس فیصلہ پر راضی اور خوش ہو گئیں اور حضرت صدیق رض سے اس بات کا عہد لیا۔ تو حضرت ابوبکر رض فدک کی پیداوار وصول کر کے اس سے اہلبیت کا کافی وافی خرچ دیتے تھے پھر صدیق اکبر کے بعد امیر معاویہ کی حکومت آنے تک، تمام خلفاء نے یہی

عمل جاری رکھا۔

تو شیعہ حضرات کی ان تینوں کتابوں کی یہ روایت اس حقیقت کو واضح کرتی ہے۔

(۱) فدک کی پیداوار جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اہلبیت و فقراء مساکین اور فی سبیل اللہ یعنی اسلامی ضروریات میں خرچ کی جاتی تھی۔ فدک خاص سیدہ یا حضرت علیؓ و حسنینؓ میں سے کسی کو ہبہ نہ کیا گیا تھا۔

(۲) جناب سیدہ نے حضرت صدیق رضؓ سے یہی معاہدہ لیا کہ حضرت رسول اکرمؐ کا عمل اور طریقہ تقسیم جاری رکھا جائے چنانچہ حضرت صدیق رضؓ نے یہی معاہدہ کیا اور جناب سیدہ راضی خوش ہو گئیں۔

(۳) جناب سیدہ اور حضرات حسنین شریفین فدک کی پیداوار سے اپنا تمام خرچ حضرت صدیق اکبرؓ سے لیتے رہے۔

(۴) جس طرح رسول پاک کا عمل تھا اسی طرح صدیق اکبرؓ کا عمل تھا۔ اور بعینہٖ یہی عمل تمام خلفائے راشدین حضرت عمر فاروقؓ عثمان غنیؓ اور علی المرتضےٰؓ اور حسن مجتبےٰؓ کا رہا حتی کہ امیر معاویہؓ کی سلطنت آگئی۔ اس عرصہ میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوا۔ کیونکہ یہی حکم خدا و رسولؐ خدا کا تھا اس لئے تمام خلفائے راشدینؓ نے اسی حکم کی پابندی کی۔ تو اب صدیق اکبر پر جناب سیدہؓ کی ناراضگی کی بات کسی راوی کی غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔ ورنہ سیدہ اللہ تعالیٰ اور حکم رسول مقبول علیہ السلام کا حکم دیکھ کر اس حکم کے خلاف ناراضگی کیسے رکھ سکتی تھیں۔ اگر ناراض ہوتیں تو اپنا اور اپنے بچوں کا تمام خرچہ خوراک کیوں وصول فرماتی رہیں۔

(۵) بعض لوگوں کا یہ خیال بھی غلط ثابت ہو گیا کہ حضرت عثمانؓ نے اپنی

خلافت میں فدک مروان کو دیدیا تھا بلکہ اس سے بخوبی ثابت ہے کہ وہ بھی عمل رسول اور عمل صدیقؓ و فاروقؓ کی مانند عمل کرتے رہے جس طرح مذکورہ تینوں کتابوں سے ثابت ہے کہ سیدہؓ اپنا اور اپنے خاندان کا خرچ صدیق اکبر سے لیتی رہیں اور تمام خلفائے راشدین کا عمل یکساں رہا۔

اسی طرح شیعہ کی معتبر کتاب شرح نہج البلاغۃ مصنفہ سید علی نقی "فیض الاسلام" کے صفحہ ۹۶ سطر چار پر مرقوم ہے۔

"ابوبکر غلہ و سود آں را گرفتہ بقدر کفایت باہل بیت علیہم السلام می داد و خلفاء بعد از وبراں اسلوب رفتار نمودند تا زمان معاویہؓ"

اس سے بھی واضح ہے کہ سیدہ خرچ لیتی رہیں۔ ناراضگی نہ تھی۔ اگر ناراض ہوتیں تو خرچ وصول نہ فرماتیں

علاوہ ازیں کتب شیعہ سے بھی ثابت ہے کہ جناب سیدہ کی ہر طرح کی خدمت حضرت صدیق اکبرؓ کی اہلیہ محترمہ اسماء بنت عمیس کرتی رہتی تھیں۔ حتیٰ کہ جناب سیدہ کے مرض کے زمانہ میں تیمارداری کے تمام فرائض حضرت صدیق اکبر کی بیوی حضرت اسماء ہی سرانجام دیتی رہیں۔ اور سیدہ کی وفات کے بعد تجہیز تکفین اور غسل کا کام بھی اسماء زوجہ صدیق اکبرؓ نے سرانجام دیا۔

جلاء العیون صد ۲۳۷ پر ہے :۔	
امیر المومنینؓ و اسماءؓ بنت عمیس فاطمہؓ را غسل دادند۔!	جناب علی المرتضیٰ اور حضرت اسماء بنت عمیس نے جناب سیدہ کو غسل دیا۔

حتیٰ کہ سیدہ کو بیماری کے زمانہ میں گہوارہ کے ذریعہ حضرت اسماءؓ نے پردہ بناکر

دکھایا۔ جس پر سیدہ رضی نے وصیت فرمائی۔ کہ میری وفات کے بعد گہوارہ بناکر میرے جنازہ کا پردہ کیا جاوے۔ جو کہ حسب وصیت حضرت اسماء رضی نے بنایا۔

نیز حضرت علی رضی کا بیعت کرنا اور صدیق اکبر رضی کے پیچھے نمازیں ادا کرنا کتب شیعہ میں صراحۃً موجود ہے:۔

احتجاج طبرسی صـ۵۲ پر ہے:۔

ثم تناول ید ابی بکر فبایعہ۔!	پھر حضرت علی المرتضٰی نے حضرت صدیق اکبر کا ہاتھ پکڑ کر بیعت کر لی

اور اسی کتاب کے صـ۶۰ پر حضرت علی رضی کے متعلق مرقوم ہے۔

ثم قام و تھیا للصلوٰۃ وحضر المسجد و صلی خلف ابی بکر رضی۔	پھر حضرت علی المرتضٰی رضی اٹھے اور نماز کیلئے تیاری کر کے مسجد میں حاضر ہوئے اور ابوبکر صدیق کے پیچھے نماز ادا کی۔

بعینہٖ یہی عبارت تفسیر قمی اور مرآۃ العقول شرح الاصول والفروع میں بھی موجود ہے۔

اگر سیدہ ناراض ہوتیں تو علی المرتضٰی حضرت صدیق اکبر رضی کی بیعت کیوں کرتے اور ان کے پیچھے نمازیں کیوں پڑھتے۔؟ اب چودہ سو سال بعد آنے والا تو سیدہ رضی کی ناراضگی کا نام سن کر جناب ابوبکر رضی سے بیزاری کو تقاضائے ایمان سمجھتا ہے۔ لیکن شیر خدا جیسے کامل الایمان کے سامنے اگر حقیقۃً

ناراضگی ثابت ہوتی تو صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر کیوں بیعت فرماتے اور کیوں ان کے پیچھے نمازیں پڑھتے ۔؟

تو ان تمام واقعات مذکورہ بالا سے ثابت ہوتا ہے کہ سیدہ رضی اور علی رضی صدیق رض اکبر سے راضی تھے ۔ ورنہ ان تعلقات کی صورت نہ تھی۔ اگر بالفرض سیدہ رضی صدیق اکبر پر ناراض ہوگئیں تو جس طرح موسیٰ نے ہارون علیہ السلام پر غصہ ہو کر ان کی داڑھی اور ان کے بال پکڑ کر کھینچے ۔ حالانکہ ہارون علیہ السلام بے قصور تھے ۔ یا جس طرح کتب شیعہ میں ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ کو چاندی کے زیور پہنے دیکھ کر غضبناک ہوگئے ۔

شیعہ کی کتاب "منتہی الآمال" مصنفہ شیخ عباس قمی مطبوعہ ایران ص ۹۷ پر ہے ۔

"غضبناک بیرون رفت و بمسجد در آمد و بنزد منبر نشست حضرت فاطمہ دانست کہ حضرت برائے زیورہا چنیں بغضب آمدند ۔"

کیا حضرت سیدہ فاطمہ رضی نے حضرت علی رضی پر غصہ ہو کر فدک کے سلسلے میں فرمایا "اشتملت مشیمۃ الجنین وقعدت حجرۃ الظنین الخ" شیعہ کی کتاب احتجاج طبرسی ص۹۵ مطبوعہ نجف اشرف ۔ جس کا ترجمہ باقر مجلسی نے اپنی کتاب "حق الیقین" جلد اول ص۱۶۷ پر یوں لکھا ہے ۔

"خطابہائے شجاعانہ و درشت با سید اوصیا نمود کہ مانند جنین در رحم پردہ نشین شدہ و مثل خائناں در خانہ گریختہ ۔"

اور شیعہ کی کتاب "جلاء العیون" کے صفحات ۶۱ اور ۷۱ پر مرقوم

ہے کہ سیدہ حضرت علی رض پر ناراض ہو کر حضور کے گھر چلی گئیں۔ اور صفحہ ۹۱ کے دوسرے مقام پر ہے کہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں جا کر حضرت علی رض کی شکایت کی"!

تو مذکورہ واقعات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حضرت ہارون علیہ السلام پر غصہ ہو جانے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سیدہ رض پر غضب ناک ہو جانے اور سیدہ رض کے علی المرتضیٰ رض پر ناراض ہو جانے سے اگر ان حضرات کے شان و ایمان پر کسی قسم کا اعتراض اور حرف نہیں آتا تو سیدہ کے جواب میں ادب و احترام کے ساتھ صدیق اکبر رض کے صرف حدیث رسول پیش کئے تھے اگر بالفرض سیدہ رض کو ناراضگی آگئی ہو تو صدیق اکبر کے ایمان اور شان پر اعتراض کرنا کونسا انصاف اور دیانت ہے۔

سیدہ رض کا جنازہ!

اور یہ کہنا کہ سیدہ رض کی ناراضگی کی وجہ سے نہ صدیق رض کو سیدہ رض کی وفات کا علم ہوا۔ اور نہ وہ شریک جنازہ ہوئے اور نہ انکو اس کی اطلاع بھیجی گئی۔ بالکل غلط ہے۔ کیونکہ صدیق رض کو سیدہ رض کی وفات کی اطلاع بھیجنے کی ضرورت نہ تھی جبکہ ان کی اہلیہ اسماء بنت عمیس رض سیدہ رض کی تیمار دار اور ہر وقت بیماری میں خدمت گار تھیں۔ اور تجہیز و تکفین اور غسل سیدہ رض کا کام بھی صدیق رض کی بیوی نے سرانجام دیا اور ان کے جنازہ کے پردہ کا گہوارہ بھی صدیق رض کی بیوی نے بنایا۔

اور کسی روایت سے یہ ثابت نہیں کہ صدیق اکبر رض نے سیدہ رض کا جنازہ نہیں پڑھا

بلکہ بعض روایات میں ہے کہ صدیق اکبر رض سیدہ کے جنازہ کے امام تھے جیسے کنز العمال جلد نمبر ۶ کتاب الفضائل من قسم الافعال صہ ۳۱۸ پر ہے۔

عن جعفر ابن محمد عن ابیہ قال ماتت فاطمۃ بنت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فجاء ابوبکر وعمر لیصلوا فقال ابوبکر لعلی ابن ابی طالب تقدم فقال ماکنت لاتقدم وانت خلیفۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتقدم ابوبکر فصلی علیھا۔!	حضرت جعفر بن محمد اپنے والد بزرگوار سے روایت کرتے ہیں کہ جب سیدہ بی بی فاطمہ حضور کی بیٹی فوت ہوئیں تو ابوبکر و عمر جنازہ پڑھنے کیلئے آئے تو جناب صدیق رض نے حضرت علی رض کو کہا کہ تم امام ہو تو حضرت علی رض نے فرمایا خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں میں امام نہیں بن سکتا۔ پس ابوبکر امام بنے اور سیدہ کا جنازہ پڑھا۔

اور طبقات ابن سعد رح جلد ہشتم صہ ۲۹ پر ثابت ہے۔

عن حماد عن ابراھیم قال صلی ابوبکر الصدیق علی فاطمۃ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فکبر علیھا اربعا۔!	جناب ابوبکر صدیق رض نے بی بی فاطمہ رض کا جنازہ پڑھا اور اس پر چار تکبیریں کہیں

یہ روایت بعینہٖ "سیرت حلبیہ" جلد سوم ص۳۹۱ پر بھی ثابت ہے۔

اہلِ سنّت و اہلِ تشیع کے مؤرخین نے لکھا ہے کہ جناب امام حسین رضؓ نے حضرت امام حسن رضؓ کے جنازہ پر سعید ابن العاص اموی حاکم مدینہ کو امام بنایا اور فرمایا۔ لولا انّہ سُنّۃٌ مَا قدمتہٗ۔ اگر جنازہ میں حاکم کی امامت کا دستور نہ ہوتا تو میں اس کو امام نہ بناتا۔

تو یہ طریقہ جاریہ اور دستور مسلمہ بھی تائید کرتا ہے کہ سیّدہؓ کے نماز جنازہ کے امام بھی ضرور بالضرور ابوبکر صدیق ہی بنے ہوں۔ واللہ اعلم؛

اصولی طور پر یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ روایاتِ نفی پر روایات اثبات کو ترجیح ہوتی ہے۔

تو اس سے بھی یہ ثابت ہو گیا کہ جن روایات میں حضرت علیؓ یا حضرت عباسؓ کے متعلق "صَلّٰی عَلَیْھَا" کے الفاظ وارد ہیں تو ان سے جنازہ پڑھنا مراد ہے امامت مراد نہیں! واللہ تعالٰی اعلم وعلمہٗ اتم؛

انصاف اور دیانتداری سے یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ جس صدیق اکبرؓ نے فدک کی آمدنی میں سے عمل رسولؐ کے خلاف اپنے اوپر اور اپنے اہل وعیال اور خاندان و رشتہ داروں پر ایک پائی بھی خرچ نہ کی اور اپنی دو سالہ خلافت میں بیت المال سے جو مال بطور وظیفہ لیا تھا وہ سارے کا سارا الوقت وفات وصیت کر کے بیت المال میں واپس کر دیا اور وصیت کی کہ مجھے نئے کپڑوں کی بجائے پرانے کپڑوں میں کفن دیا جائے۔

وہ کسی پر ظلم اور ناحق کیسا اور کیوں کرے گا۔ جزاہ اللہ تعالٰی ف

رضی عنہم و ارضاہ ۔ آمین ۔

تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین اوّل خلیفہ بلا فصل سیدنا ابو بکر صدیق رضؓ کے اخلاص اور انتہائی محبت و اطاعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور صداقت، امانت، دیانت میں کمال ہی اس امر کا موجب تھا کہ صدیق رضؓ کی بیعت خلافت پر تمام صحابہ مہاجرین و انصار، بنی ہاشم و قریش سب کے سب متفق و متحد ہو گئے ۔ اس باہمی اتفاق و اتحاد اور محبت و اخوت کی وجہ سے یہ حضرات دنیا اور آخرت میں بلند مقامات اور اعلیٰ مراتب پر فائز المرام ہو گئے ۔ اور ان حضرات ہی کا زمانہ ہر دور اور ہر قرن میں آنے والی نسلوں کیلئے ایک نمونہ اور لائحہ عمل چھوڑ گیا کہ اگر مسلمان اپنے دین و ایمان کی صحت و سلامت اور دنیاوی عروج و ترقی اور اخروی نجات و سرخروئی چاہتے ہیں ۔

تو ان کیلئے صرف یہی ایک راہ اتباع نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور اتحاد و اتفاق ہے جس پر کہ شاگردان رسول صلی اللہ علیہ وسلم، جناب صدیق رضؓ و فاروق رضؓ، غنی رضؓ، علی رضؓ صحابہ کرام رضؓ اور اہلبیت عظام نے عمل پیرا ہو کر اپنے مولا حقیقی جل شانہٗ اور اس کے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام مخلوق کو راضی کر کے دنیا کی تاریخ میں ایک بے نظیر نمونہ اپنے پیچھے چھوڑا ۔

اللہ تعالیٰ ہمیں تمام مسلمانوں کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق بخشے ۔ آمین ثم آمین

وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم ۵